مختلف اعتقادی و اصلاحی موضوعات پر نایاب علمی مجموعہ

"الرسائل الخمس"

کا پہلی بار شاندار سلیس اُردو ترجمہ بنام

رسائل امام عابد سندھی

﴿ تالیف ﴾

شیخ الاسلام، الامام الکبیر

شیخ محمد عابد السندی الانصاری

رئیس علماء المدینة المنورة فی عصره المتوفیٰ ۱۲۵۷ھ

﴿ ترجمہ ﴾

خلیفہ مفسر اعظم پاکستان

علامہ مفتی اعجاز احمد قادری اویسی

طباعتی تفصیلات

نام کتاب : **رسائل امام عابد سندھی**

تالیف : امام محمد عابد سندھی انصاری علیہ الرحمہ

مترجم : علامہ مفتی اعجاز احمد قادری اویسی مدظلہ العالی

تحقیق وتخریج : شیخ الحدیث مفتی محمد جان نعیمی مدظلہ العالی

کمپوزنگ : علامہ امجد اسلام امجدی/ عابد حسین

اشاعت اوّل : فروری 2013ء: بمطابق ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ

صفحات : ۱۷۴

باہتمام : مولانا محمد قاسم جلالی، حافظ محمد جمیل قادری، محمد نواز تنولی

قیمت : -----

ناشر

مکتبہ غوثیہ

نزد "جامعة الفاطمة للبنات" بالمقابل مین گیٹ

عسکری پارک، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان

فون: 021-34926110 021-34910584

0300-2196801

بسم الله الرحمن الرحيم

شرف انتساب

سرزمین سندھ میں احادیث مصطفیٰ ﷺ کی شمع روشن کرنے والی
شخصیت کے نام
جن کا فیضان آج بھی خورشید دبستانِ علمی ہے۔
یعنی
شیخ الاسلام، قدوۃ الانام، مرجع العلماء، انتخاب مصطفیٰ،
عاشق محبوب خدا، شیخ الحدیث، فقیہ العصر، الامام العلامہ
مخدوم محمد ہاشم بن عبد الغفور ٹھٹھوی سندھی، متوفی ۱۱۷۴ھ

جن کے سلسلۂ علمی سے **مخدوم علامہ شیخ فقیر اللہ علوی شکار پوری** ہوئے اور اِن کے شاگردوں میں **سلطان الاولیاء، مخدوم زماں سیدنا سائیں راشد روضے دھنی** علیہ الرحمہ جیسی شخصیت آج بھی مائل بہ کرم ہے

﴿طالب نگاہ وکرم﴾
یک از گدائے درگاہ سیدنا **امام العاشقین اُویس قرنی** رضی اللہ عنہ
اعجاز احمد قادری اویسی
غفرلہ ولوالدیہ

فہرس

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور محبوب کریم ﷺ کی نگاہِ عنایت سے مکتبہ غوثیہ اہلسنّت کا ایک ممتاز دینی واشاعتی ادارہ ہے جو مختلف گوناں گوں مسائل سے دوچار ہونے کے باوجود مسلک حق اہلسنّت وجماعت کے نظریاتی اقدار کے تحفظ کے لیے تن تنہا شبانہ روز مصروف عمل ہے جس کا عملی نمونہ اب تک قریباً ڈیڑھ سو کتب ورسائل کی صورت میں اہل محبت کی آنکھوں کی زینت بن چکا ہے اور کتاب ہذا بھی اسی سلسلہ محبت اور عزم کامل کی عکاسی کرتی ہوئی ایک کڑی ہے۔

امام محمد عابد سندھی انصاری کی شخصیت عرب وعجم میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ کی علمی کارنامے چاردانگ عالم میں مشہور ومعروف ہیں جن سے بالخصوص اہل علم حضرات بخوبی شناسا ہیں، آپ امام شامی کے ہم زمانہ ہو گذرے ہے لیکن آپ کے علم نقوش آج بھی صحائف علم وقرطاس فن کی زینت ہیں۔ آپ نے علم تفسیر وحدیث، ادب وبلاغت اور اصلاح واعتقادیات پر گراں مایہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، البتہ علم فقہ میں آپ کی دسترس کا شہرہ بلاشبہ انفرادیت کا حامل ہے۔

"**مکتبہ غوثیہ**" کی ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ ایسے ہی علمائے کرام کی نایاب تصانیف کو عوام الناس کے لیے بہتر سے بہتر انداز میں تراجم وتحقیق کے ساتھ پیش کرے، اسی مقصد کے پیش نظر "**رسائل امام عابد سندھی**" کو جدید سلیس وسہل ترجمہ کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔

کتاب ہذا کا ترجمہ عصر حاضر کے **ممتاز عالم دین وصاحب قلم حضرت علامہ ومولانا مفتی اعجاز احمد قادری اویسی صاحب** زیدمجدہ نے کیا ہے مفتی صاحب موصوف

بہت سی علمی وتحقیقی کتب کے مصنف ہے اور ان سے پہلے بھی ان کی کئی کتب منصۂ شہود پر آچکی ہے۔ مکتبہ غوثیہ نے اس سے قبل حضرت کی کتاب "**شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور عقائد ومعمولات اہلسنّت**" کو شائع کرنے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کو سلامتی وعافیت عطا فرمائے اور دین اسلام کی مزید خدمت کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

اس کتاب کی افادیت واہمیت کے پیش نظر "**مکتبہ غوثیہ**" اسے شائع کررہا ہے تاکہ عام وخاص ہر ایک اس سے استفادہ کرکے حقیقت تک رسائی حاصل کرے اور اپنے عقائد ومعمولات کو ان اکابرین اسلام کے مطابق کرلے تاکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخروئی کا سامان ہوسکے۔

"**مکتبہ غوثیہ**" کی کتب ناصرف کراچی بلکہ بیرون ملک بھی بحمداللہ دادِ تحسین حاصل کرچکی ہیں لیکن پھر بھی قارئین کرام اور اہل علم حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اسے مزید بہتر سے بہتر بنانے کے لیے اپنی قیمتی آراء سے آگاہ فرمائیں تاکہ اسلام ومسلک اہلسنّت کی ترویج واشاعت کا کام خوب سے خوب تر انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

نیز اگر کتاب میں کسی بھی قسم کی غلطی پروف یا تصحیح وغیرہ کے حوالے سے نظر آئے تو ازراہِ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کردی جائے اس سلسلے میں ہم شکریہ کے ساتھ آپ حضرات کے ممنون ہوں گے۔

آپ کی دعاؤں اور تعاون کا طلب گار

محمد قاسم جلالی

19 صفر المظفر 1434ھ بمطابق 02.01.2013

بانی وخادم مکتبہ غوثیہ، کراچی، پاکستان

حُسنِ خیال

استاذ الاساتذة شیخ العلماء قدوة الاولیاء المربی الکبیر
مفتی جمیل احمد نعیمی ضیائی مدظلہ العالی
شیخ الحدیث وناظم تعلیمات، دارالعلوم نعیمیہ، دستگیر، کراچی، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی علی منزلۃ المؤمنین بکریم خطابہ ورفع درجۃ العالمین بمعانی کتابہ وخص المستنبطین منھم بمزید الاصابۃ وثوابہ والصلوٰۃ والسلام علی سیّد الانس والجان مالک الرحمۃ والرضوان ذی الجود والکرم و الاحسان و علیٰ آلہ الطیبین الطاھرین و أصحابہ المعظمین و المکرمین أجمعین الی یوم الدین

احقر کے استاذ بھائی عالم باعمل، صوفی باصفا، مفسر کبیر، محدث شہیر، فقیہ بے نظیر، پیکر زہد وتقویٰ، مجسمہ اخلاق ومروت، مفتی اعظم سندھ وبلوچستان، **شیخ مفتی محمد عبداللہ نعیمی مجددی** قدس سرہ القوی کو کتابیں حاصل کرنے اور مطالعہ کرنے کا بے انتہا شوق وذوق تھا، بلا مبالغہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ موصوف کا یہ جذبہ حد جنون تک پہنچا ہوا تھا۔

وراثت میں اِن کے فرزندارجمند **شیخ الحدیث والتفسیر ابوعبیداللہ مفتی محمد جان نعیمی نقشبندی** زید مجدہ بھی کچھ کم نہیں ہیں، موصوف ہر وقت اس تجسس میں رہتے ہیں کہ اپنے اکابر کے علمی اور تحقیقی جواہر پاروں سے موجودہ دور کے علمائے کرام، مشائخ عظام اور عزیز طلبہ کو باخبر رکھا جائے تاکہ وہ اُن نادر اور نایاب علمی ذخیرے سے استفادہ کرسکیں۔

موصوف نے اسی جذبہ کے تحت ''باب الاسلام'' سندھ کے اکابر مفسرین ومحدثین اور علمائے کاملین کہ جن کی خدماتِ جمیلہ وجلیلہ کا دائرہ نا صرف سندھ اور ہند میں پھیلا ہوا ہے بلکہ ان کی خدمات دینیہ کو حرمین شریفین میں قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھا گیا اُن مفسرین ومحدثین جن کے صحاح ستہ پر بھی حواشی ہیں، جن علمائے کرام اور عزیزم طلبہ کو شوق وذوق ہو وہ ان کتابوں کا مطالعہ کرے۔

عزیزم ابوعبیداللہ مفتی محمد جان نعیمی نقشبندی مجددی زید مجدہ ان رسائل خمس سے پہلے بھی کچھ کتب ورسائل شائع کرتے رہے ہیں لیکن اس مرتبہ موصوف نے ایک ہی جلد میں پانچ رسائل کو جو کہ فاضل جلیل عالم نبیل محبّ رسول الشیخ الامام محمد عابد سندھی انصاری علیہ الرحمۃ ''رئیس العلماء المدینۃ المنورۃ'' پیش کر کے علمائے کرام، عزیز طلبہ اور آنے والے اربابِ تحقیق وتصنیف پر عظیم احسان فرمایا ہے۔

کیونکہ تمام رسائل عربی میں ہیں جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ التوسل واحکامه وانواعه
۲۔ تقبيل الصحابة يد رسول الله ﷺ ورجله الشريف
۳۔ حکم اطعام الطعام فی مناسبات الفرح والترّح
٤۔ الصارم المسلول على من أنكر التسمية بعبد النبى وعبد الرسول
٥۔ کرامات الاولیاء والتصدیق بها

یوں تو سندھ کے تمام علمائے کرام ومشائخ عظام قابل تعریف بھی ہیں اور لائق تقلید بھی ہیں خاص طور پر وہ حضرات جنہوں نے حرمین طیبین کی مقدس سرزمین کو **قال اللہ** جلالہ **وقال رسول اللہ** ﷺ کی صداؤں سے منور ومعطر فرمایا ہے انہیں نفوس قدسیہ میں سے فاضل جلیل عالم نبیل صوفی باصفا الشیخ محمد عابد سندھی علیہ الرحمہ ولادت 1190ھ اور

وصال 1257ھ ہے اوران کے صحاح ستہ پر حواشی بھی موجود ہیں انہی کے یہ پانچ رسائل جن کی تفصیل مندرجہ بالا مذکور ہے۔

کیونکہ یہ تمام رسائل عربی میں ہیں جن کا اہل علم کے علاوہ پڑھنا اور سمجھنا مشکل تھا تو اسکو اُردو میں منتقل کرنے کا سہرا ہمارے **مخدوم ومحترم، فاضل جلیل، عالم نبیل، مصنف محقق، مختلف کتب کے مترجم وشارح علامہ مفتی ابومحمد اعجاز احمد صاحب قادری اویسی** زید مجدہ الکریم کے سر ہے، بلاشبہ موصوف کی یہ کاوش لائق صد تحسین وقابل مبارک باد ہے، ان کی اس سے قبل بھی بہت سی علمی وتحقیقی کتب منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ اللھم زد فزد

مولائے کریم اپنے حبیب پاک رؤف رّحیم ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے صدقے ان دونوں حضرات (یعنی مفتی محمد جان نعیمی زید مجدہ اور مفتی اعجاز احمد اویسی زید مجدہ) اور ان کے اہل خانہ کو صحت وعافیت اور سلامتی ایمان کے ساتھ قائم ودائم رکھے۔ احقر نے اپنی علالت اور وقت کی کمی کی وجہ سے یہ چند سطور تحریر کردیں، اللہ تعالی قبول فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ الامین ﷺ

والسلام مع الاکرام

احقر جمیل احمد نعیمی ضیائی غفرلہ

12صفر المظفر 1434ھ بمطابق 26 دسمبر 2012ء

ناظمِ تعلیمات واستاذ الحدیث، دارالعلوم نعیمیہ

بلاک 15، فیڈرل بی ایریا، کراچی، پاکستان

حُسنِ خیال

العلامۃ المحقق والفہامۃ المدقق الاستاذ المفتی

ابوعبیداللہ محمد جان بن عبداللہ نعیمی مدظلہ العالی

مہتمم وشیخ الحدیث، جامعہ مجددیہ نعیمیہ، ملیر کراچی، پاکستان

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی من تبعہم باحسان الی یوم الدین اما بعد!

شیخ العرب والعجم حضرت مخدوم محمد عابد سندھی مدنی المتوفی ۱۲۵۷ھ قدس سرہ العزیز سے اللہ ربّ العالمین جل جلالہ نے دین اسلام کے ہر شعبہ میں تشریح وتوضیح اور اصلاح وارشاد کا عظیم کام لیا ہے جس کی وجہ سے آپ کی شخصیت اہل علم کے یہاں معروف ومستند تصور کی جاتی ہے۔

اسی لیے فقیر کی دلی تمنا تھی کہ حضرت مخدوم صاحب علیہ الرحمہ کے چند ایسے رسائل یکجا کیے جائیں جو راہِ حق کے حصول میں مشعلِ راہ اور اس کی تحصیل وتکمیل کے لیے رہبر ورہنما ثابت ہوں لہٰذا بڑی محنت وکوشش سے مذکورہ رسائل خمسہ (عربی) کے اصل (مخطوطات) سندھ کے مختلف قدیم کتب خانوں سے حاصل کیے اور تخریج وتحقیق کے بعد انہیں زیور طبع سے آراستہ کیا جس سے الحمدللہ اب اہل علم مستفید ہورہے ہیں۔

اس مجموعہ میں ہر رسالہ علوم کا بیش بہا خزانہ ہے جو خاص طور پر اہل علم اور حق کے متلاشی افراد کے لیے علم وتحقیق کے دروازے کھولتا ہے، ان رسائل خمسہ میں حضرت مخدوم

صاحب علیہ الرحمہ نے سواداعظم اہلسنّت و جماعت کے عقائد ونظریات کوقرآن وحدیث اوراقوال سلف کی روشنی میں پیش کرتے ہوئے اپنا موقف واضح الفاظوں میں بیان کیا ہے۔

اسی لیےضرورت اس بات کی متقاضی تھی کہ ان رسائل خمسہ (عربی) کواُردو میں ترجمہ کیا جاتا تاکہ عوام الناس بھی اس سے یکساں مستفید ہوسکتے تو **فاضل جلیل علامہ مولانا اعجاز احمد قادری اویسی زیدمجدہ** نے بڑی محنت سے رسائل خمسہ (عربی) کا سلیس اُردو میں ترجمہ کیا ہے اس ترجمہ کے مختلف مقامات زیرنظر رہے بحمدہ تعالیٰ فاضل موصوف نے بہترین انداز میں عربی کواُردو زبان کے قالب میں منتقل کیا ہےجس سے اب عوام وخواص بہ سہولت مستفید ہوسکتے ہیں۔

اے کاش! آج ہم ان اکابرین اُمت کی تعلیمات اوران کے نظریات وعقائد کو ہی اپنا مشعل راہ بنالیں تو یقیناً اُمت میں کسی قسم کا اختلاف نہ رہے۔

آخر میں فقیر کی دعا ہے اللہ ربّ العالمین جل جلالہ بہ طفیل حبیب کریم ﷺ ہم سب کوان اکابرین کے فیوض وبرکات سے مستفید اوران کی تعلیمات پرعمل کی توفیق عطا فرمائے اورمترجم فاضل موصوف زیدمجدہ کو دارین میں اس کارخیر کا اجرعظیم عطا فرمائے اوران کے لیے سرمایہ آخرت بنائے۔آمین

کتبہ

الفقیر الی عفو ربہ الکریم عبدہ

محمد جان نعیمی عفی عنہ

۱۳ ذوالحج ۱۴۳۳ھ بمطابق ۳۰، اکتوبر ۲۰۱۲ء

حُسنِ خیال

استاذ العلماء فضیلۃ الشیخ

علامہ مفتی محمد عامر مدظلہ العالی

انٹرنیشنل اسکالر، Qtv، پاکستان

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

امام محمد عابد سندھی انصاری علیہ الرحمہ کی ذات علمی وتحقیقی حلقوں میں خورشید و مہتاب کی مثل ہے بلاشبہ آپ کی تحقیقات علمیہ لائق اعتناء وقابل صد تحسین ہیں، اللہ تعالی جل جلالہ نے آپ کوعرب وعجم میں بےمثال شہرت وعزت نصیب فرمائی ہے اسی لیے آج بھی آپ کے فرمودات اہل انصاف کے یہاں قول فیصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

"**رسائل امام عابد سندھی**" عربی زبان میں ایک گراں قدر علمی مجموعہ تھا جس میں مختلف اعتقادی واصلاحی موضوعات پرشاندار مواد یکجا کیا گیا ہے، اس ذخیرہ سے استفادے کی نوعیت صرف عربی دان حضرات تک ہی محدود تھی اس لیے اسے اُردو زبان کے قالب میں منتقل کرنا ضروری تھا۔

لہٰذا فاضل موصوف **مفتی اعجاز احمد قادری اویسی** زیدعلمہ نے اسے نہایت دیانت کے ساتھ عربی سے اُردو زبان میں ترجمہ کیا ہے چند مقامات زیرنظر رہے ما شاء اللہ بہت خوب پایا۔اللہ تعالی جل جلالہ موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اوردارین میں اس کا اجرعطا فرمائے نیز اہل علم حضرات کواس سے استفادے کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین

محمد عامر غفرلہ 29.11.2012

شیخ الاسلام الفقیہ الامام

محمد عابد السندی الانصاری المدنی علیہ الرحمہ

نام ونسب :

محمد عابد بن احمد علی بن محمد مراد بن محمد یعقوب ایوبی انصاری سندی ،علمائے کرام کے درمیان آپ شیخ محمد عابد سندی کے نام سے معروف ہیں ،آپ علیہ الرحمہ کی نسبتوں میں ایوبی وانصاری کی نسبتیں دراصل صحابی رسول حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہیں کیونکہ آپ انہی کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔

پیدائش :

آپ علیہ الرحمہ پاکستان کے موجودہ صوبے سندھ کے ایک معروف شہر **’’سیوھن‘‘** [اسے سیون اورسیوستان بھی کہتے ہیں] میں جو کہ حیدرآباد کے شمال میں واقع ہے پیدا ہوئے ، اِسی نسبت سے آپ سندی [سندھی] کہلائے ،بعض مؤرخین نے آپ علیہ الرحمہ کے نام کے ساتھ مکی ، مدنی ،یمنی اور زبیدی نسبتوں کا بھی ذکر کیا ہے تو یہ تمام نسبتیں باعتبار سکونت کے ہیں۔

سیوھن وہ مشہور زمانہ علاقہ ہے جہاں سے بہت سے نابغہ رُوزگار اشخاص صفحات تاریخ کی رونق بنے اور دین اسلام کی تبلیغ واشاعت میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ،انہی حضرات ذی وقار میں ملک پاکستان کی ایک نمایاں روحانی ہستی حضرت سیدنا عثمان مروندی المعروف سید نالعل شہباز قلندر نور اللہ ضریحہ کی ہے ،آپ علیہ الرحمہ نے بھی دنیا کے

مختلف ممالک میں سفر کے بعد اسی مقام کو مرکز تبلیغ بنایا اور یہاں رہتے ہوئے اطراف واکناف عالم میں اعلائے کلمۃ الحق کی صدائیں بلند کیں ،الغرض یہ خطۂ ارضی زمانہ قدیم ہی سے اپنی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اوراق تاریخ کا ایک روشن وحسین باب رہا ہے۔

شجرہ نسب :

آپ علیہ الرحمہ کے پردادا حضرت شیخ محمد یعقوب انصاری علیہ الرحمہ نے اپنے شجرہ نسب کو باقاعدہ مرتب فرمایا پھر ان کے بیٹے اور شیخ محمد عابد سندی کے دادا شیخ الاسلام محمد مراد انصاری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ’’**دفینۃ الطالب**‘‘ میں اپنے نام کے اضافے کے ساتھ اسے شامل کیا ،یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں مکتبہ محمودیہ میں مخطوط کی صورت میں موجود ہے ،اسی کتاب کی چوتھی جلد کے صفحہ ۱۳۱ پر یہ شجرہ موجود ہے:

[شیخ محمد عابد بن شیخ احمد علی بن] محمد مراد المعروف القاضی الواعظ بن حافظ محمد یعقوب المعروف القاری بن محمود المعروف حافظ ممّون بن حاجی عبد الرحمن المعروف القاری بن عبد الرحیم زینت القراء بن محمد انس بن عبد اللّٰہ بن محمد جابر بن محمد خالد بن مالك بن ابو عوف بن حسان بن سالم بن اشعث بن متّ بن صحابی جلیل حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ وعن ذریتہ :

میزبان رسول حضرت سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا شجرہ نسب یوں ہے:

ابو ایوب خالد بن زید انصاری خزرجی نجاری عدوی بن کلیب بن ثعلبه بن عبد عمرو بن عوف بن غُنم بن مالك بن نجار بن ثعلبه بن خزرج۔(كذا فی الطبقات لابن سعد)

شادی واولاد :

شیخ محمد عابدسندی انصاری علیہ الرحمہ ۱۲۰۸ھ میں اپنے چچا شیخ محمد حسین بن محمد مراد انصاری علیہ الرحمہ کے ساتھ ہجرت کر کے یمن تشریف لے گئے اور وہاں ''حُدَیْدَۃُ'' نامی علاقے میں سکونت اختیار کی، کچھ عرصے تک یہی تحصیل علم میں مشغول رہے پھر امام یمن اور صنعاء کے حاکم منصور کے طلب کرنے پر ۱۲۱۳ھ میں صنعاء تشریف لے گئے، حاکم صنعاء نے آپ علیہ الرحمہ کی فن طب میں مہارت وشہرت کی وجہ سے بطور خاص انہیں اپنا طبیب مقرر کیا۔

اسی زمانے میں آپ نے حاکم صنعاء کے وزیر علی عماری کی بیٹی ''دھما'' سے شادی کی، اکثر سیرت نگاروں کو تلاش وبسیار کے باوجود ان کی بیوی کے نام کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا لیکن اللہ تعالی کے فضل سے ہمیں خود شیخ عابد سندی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر سے اس بارے میں پتہ چلا۔

وہ یوں کہ شیخ محمد عابدسندی علیہ الرحمہ کے پاس ''مجمع الزوائد للهيثمی'' کا ایک نسخہ تھا جو اس وقت مکتبہ محمودیہ میں تحت رقم ۷۴۵ موجود ہے، اس کی پہلی جلد کے ابتدائی صفحات پر شیخ نے امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کے کچھ رسائل نقل کیے ہوئے ہیں، ان میں سے دوسرے نمبر پر رسالہ '' بزوغ الهلال فی الخلال الموجبة لظلال '' للسیوطی نقل کیا ہے، اِسی کے اخیر میں شیخ نے اپنے ہاتھ سے یہ عبارت لکھی ہے:

هذا خط زوجتی دهما المرحومة بنت وزير امام اليمن علی العماری المرحوم

یعنی یہ میری مرحومہ بیوی دھما کی تحریر ہے جو کہ امام یمن کے وزیر علی عماری مرحوم کی بیٹی تھی۔

علامہ قاضی شوکانی نے البدر الطالع ۱/۴۴۶ میں ان کے والد کے بارے میں لکھا ہے:

وزیر علی بن صالح عماری صنعانی ۱۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔

علامہ شوکانی نے اپنی کتاب میں ان کی بہت تعریف وتوصیف لکھی ہے، مزید تفصیل کے لیے اصل ماخذ کی طرف رجوع کریں۔

اکثر سیرت نگاروں نے بیان کیا ہے کہ شیخ محمد عابد سندی علیہ الرحمہ کی کوئی اولاد نہیں تھی لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ اللہ تعالی جل جلالہ نے آپ کو ایک بیٹے اور ایک بیٹی سے نوازا تھا، البتہ یہ دونوں بہت جلد انتقال کر گئے تھے۔

☆ شیخ محمد عابدسندی علیہ الرحمہ نے شرح صحیح مسلم کی جلد اول پر یہ تحریر لکھی تھی:

میں نے اس کتاب کو مع بقیہ اجزا کے علامہ صارم الدین سید ابراہیم بن سید عبداللہ حوثی کو فروخت کیا۔

حقیر محمد عابد سندی فی ذی القعدۃ ۱۲۳۰ھ

☆ اسی تحریر کے بعد علامہ ابراہیم حوثی علیہ الرحمہ کی درج ذیل تحریر بھی ملتی ہے:

میں نے اس شرح کو آنکھوں کی ٹھنڈک وجیہ الدین عبدالرحمٰن بن محمد عابد انصاری سندی کو ہبہ کیا۔

ابراہیم بن عبداللہ حوثی فی ذی القعدۃ ۱۲۳۰ھ

لہٰذا اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا ایک بیٹا عبدالرحمٰن نامی بھی تھا جسے علامہ ابراہیم حوثی علیہ الرحمہ نے شیخ عابد سندی علیہ الرحمہ سے کتاب خرید کر ہبہ کی تھی اور اس کے لیے اصلاح احوال کی دعا بھی فرمائی تھی، البتہ وہ بیٹا جلد ہی وصال کر گیا تھا۔

آج اگرچہ شیخ محمد عابدسندی انصاری علیہ الرحمہ کی اولاد جسمانی روئے زمین پر موجود نہ بھی ہو لیکن ان کی اولاد معنوی مثلاً کتابیں اور شاگردین کا سلسلہ علمی علام اسلام کے ہر گوشے میں فیض آفریں ہے، اللہ تعالی جل جلالہ اس سلسلے کو روزِ قیامت تک یوں ہی ثمر بار رکھے۔ آمین



شیوخ واساتذہ کرام علیہم الرحمہ :

۱۔ شيخ الاسلام محمد مراد الانصاري السندي (شیخ عابد سندی کے دادا) [المتوفى ۱۱۹۸هـ]

۲۔ شيخ احمد على بن شيخ الاسلام محمد مراد الانصاري (شیخ عابد سندی کے والد) [المتوفى ۱۲۰۲هـ]

۳۔ شيخ محمد حسين بن شيخ الاسلام محمد مراد الانصاري السندي (شیخ عابد سندی کے چچا) [المتوفى ۱۲۱۱هـ]

٤۔ شيخ صالح بن محمد بن نوح بن عبد الله بن عمر بن موسىٰ العمري الفلاني المدني [المتوفى ۱۲۱۸هـ]

٥۔ شيخ احمد بن ادريس ابو العباس العرايشي الحسني المغربي [المتوفى ۱۲۵۳هـ]

٦۔ شيخ عبدالملك بن عبد المنعم بن محمد تاج الدين القلعي المكي [المتوفى ۱۲۲۸هـ]

۷۔ شيخ محمد زمان الثاني بن محبوب الصمد بن محمد زمان الاوّل السندي [المتوفى ۱۲٤۷هـ]

۸۔ شيخ محمد طاهر بن شيخ محمد سعيد بن محمد سنبل المكي الحنفي [المتوفى ۱۲۱۸هـ]

۹۔ شيخ يوسف بن محمد بن علاء الدين المزجاجي الزبيدي الحنفي [المتوفى ۱۲۱۳هـ]

۱۰۔ شيخ صديق بن على المزجاجي الزبيدي الحنفي [المتوفى ۱۲۲۹هـ]



شاگردین وتلامذہ علیہم الرحمہ :

۱۔ شيخ لطف الله بن احمد بن لطف الله بن احمد الصنعاني [المتوفى ۱۲٤۳هـ]

۲۔ شيخ ابراهيم بن عبد القادر الرياحي المالكي [المتوفى ۱۲۲۹هـ]

۳۔ شيخ قاضي ارتضى على خان بن شيخ احمد مجتبى الهندي [المتوفى ۱۲۷۰هـ]

٤۔ شيخ ابراهيم بن محمد سعيد المكي الفقيه الحنفي الكبير [المتوفى ۱۲۹۰هـ]

٥۔ شيخ جمال بن عبد الله بن شيخ عمر المكي [المتوفى ۱۲۸٤هـ]

٦۔ شيخ داؤد بن سليمان البغدادي النقشبندي الشافعي المشهور ابن جرجيس [المتوفى ۱۲۹۹هـ]

۷۔ شيخ عارف الله بن حكمت الله التركي الحنفي الحسيني المشهور بعارف حكمة [۱۲۷٥هـ]

۸۔ شيخ عبد الغنى بن شيخ ابي سعيد المجددي الدهلوي الحنفي [المتوفى ۱۲۹٦هـ]

۹۔ شيخ عليم الدين بن شيخ العارف رفيع الدين العمري القندهاري [المتوفى ۱۳۱٦هـ]

۱۰۔ شيخ برهان الحق بن محمد نور الحق الانصاري [المتوفى ۱۲۸٦هـ]

۱۱۔ شيخ عبد الرحمن وجيه الدين ابو العباس بن شيخ محمد حسين السندي

۱۲۔ شيخ محمد زمان الثاني السندي النقشبندي [المتوفى ۱۲٤۷هـ]



تصنیف وتالیف کی صورت میں علمی جواہر پارے :

١۔ منحة الباري فی جمع روایات البخاري [صحیح بخاری کی بے مثال خدمت]

٢۔ شرح تفسیر البیضاوی لثلاثة اجزاء من القرآن الکریم

٣۔ ترتیب مسند الامام ابي حنیفة بروایة الحصکفي

٤۔ المواھب اللطیفة فی شرح مسند الامام ابي حنیفة [فقہ حنفی کی عظیم اساس]

٥۔ ترتیب مسند الامام الشافعي

٦۔ معمتد الالمعي المھذّب فی حل مسند الامام الشافعي المرتّب

٧۔ شرح تیسیر الاصول مختصر جامع الاصول لابن الدبیع

٨۔ شرح بلوغ المرام لامام ابن حجر العسقلاني

٩۔ کشف الباس عما رواہ ابن عباس مشافھة عن سید الناس

١٠۔ سُلافة الالفاظ فی مسالك الحُفّاظ

١١۔ ایجاز الالفاظ لاعانة الحفاظ

١٢۔ مجالس الابرار

١٣۔ شرح ألفیة السیوطي فی مصطلح الحدیث

١٤۔ حصر الشارد من اسانید محمد عابد [شیوخ واساتذہ سے اخذ کردہ اَسانید کا تذکرہ]

١٥۔ روضة الناظرین فی اخبار الصالحین

١٦۔ طوالع الانوار شرح الدر المختار [دُرِمختار کی سب سے ضخیم وفائق شرح]

١٧۔ الابحاث فی مسائل الثلاث

١٨۔ رسالة فی اخراج زکاة الحَبّ بالقیمة

١٩۔ الزام عساکر الاسلام بالاقتصار علی القلنسوة طاعة للامام

٢٠۔ تغیّر الراغب فی تجدید الوقف الخارب

٢١۔ الحظّ الاوفر لمن اطاق الصوم فی السفر



٢٢۔ کفُّ الاماني عن سماع الاغاني

٢٣۔ الخیر العام فی احکام الحمّام

٢٤۔ منال الرجاء فی شروط الاستنجاء

٢٥۔ نافع الخلق فی الطب

٢٦۔ غُنیة الزّکي فی مسألة الوصي

٢٧۔ القول الجمیل فی ابانة الفرق بین تعلیق الزوج وتعلیق الوکیل

٢٨۔ فكّ المِحنة بمعالجة الحُقْنة

٢٩۔ الصارم المسلول علی من انکر التسمیة بعبد النبي وعبد الرسول [مشمولہ کتاب ہٰذا]

٣٠۔ رسالة فی کرامات الاولیاء والتصدیق بھا [مشمولہ کتاب ہٰذا]

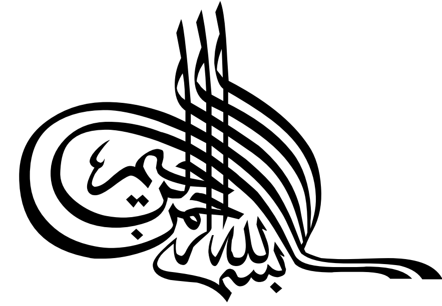
٣١۔ رسالة فی حکم اطعام الطعام فی مناسبات الفرح او الترّح [مشمولہ کتاب ہٰذا]

٣٢۔ التوسل وأحکامه وأنواعه [مشمولہ کتاب ہٰذا]

٣٣۔ رسالة فی تقبیل الصحابة ید رسول اللّٰه ﷺ ورأسه الشریف [مشمولہ کتاب ہٰذا]

وفات حسرت آیات :

شیخ محمد عابد سندی انصاری علیہ الرحمہ نے مختلف ممالک میں سکونت اختیار کی اور اسلام کی ترویج واشاعت میں اہم کردار ادا کیا اور دنیا کے اطراف واکناف سے آئے ہوئے بے شمار طالبانِ علم دین کو سیراب کیا لیکن آخر عمر مبارک میں آپ نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی اور یہاں آپ کو علمائے مدینہ منورہ کا ''رئیس'' قرار دیا گیا پھر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی عطا کردہ توفیق سے اسی مدینۂ رسول میں سترہ ١٧ ربیع الاوّل ١٢٥٧ھ کو وصال فرمایا اور حضرت سیدنا امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے مزار کے احاطے میں دارِ عقیل کی سمت تدفین کا شرف حاصل کیا، اِس طرح آپ علیہ الرحمہ کی خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ کو جنت البقیع میں مدفن کی سعادت عطا فرمائی۔



آغاز کتاب



التوسّل

واحکامه وانواعه

تالیف

شیخ الاسلام، الامام الکبیر

شیخ محمد عابد السندی الانصاری

رئیس علماء المدینة المنورة فی عصره المتوفیٰ ۱۲۵۷ھ

ترجمہ

خلیفہ مفسر اعظم پاکستان

علامہ مفتی اعجاز احمد قادری اویسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ ربّ العالمین
و الصلوۃ و السلام علیٰ خیر البریّۃ
و سیّد المرسلین و آلہ وصحبہ أجمعین

﴿ سوال ﴾

میرے پاس ﴿أَغِثْنِیْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ﴾ کے ذریعے خطاب واِستغاثہ کرنے کے بارے میں سوال آیا، برابر ہے کہ پکارنے والا مدینہ منورہ میں موجود ہو یا اس سے باہر ہو (اس کا شرعی حکم کیا ہے)۔؟

پس اگر ایسی ندا کو جائز قرار دیا جائے تو کیا یہ معاملہ صرف حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہوگا یا دنیا بھر کے جمیع اولیاء اللہ کے لیے بھی روا ہوگا؟ مثلاً یوں پکارنا۔۔۔ ﴿یَاسَیِّدِیْ عَبْدَ الْقَادِرْ أَغِثْنِیْ﴾ اور ﴿یَامَوْلَائِیْ خواجہ نقشبند أَدْرِکْنِیْ﴾ وغیرہ اوراس بارے میں کیا کہا جائے گا کہ مصائب سے خلاصی اور دیگر مشکلات سے نجات دینا تو صرف اللہ تعالیٰ ﷻ ہی کے دست قدرت میں ہے اور کسی نبی اور ولی کو تو اس بارے میں اختیار نہیں دیا گیا؟

البتہ یہ مسلّمہ ہے کہ انبیائے کرام واولیائے عظام میدانِ قیامت میں لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے لیکن یہ معاملہ تو صرف اُسی دن اور وہاں بھی اُس (اللہ تعالیٰ) کی اجازت کے ساتھ ہی خاص ہے جبکہ یہاں (دنیا میں) تو انہیں کوئی اِذن واجازت حاصل نہیں ہے۔

اس لیے اِن مقدس ہستیوں سے اپنی مشکلات ومصائب سے چھٹکارے وشفاعت کیلئے سوال کرنا گویا ایک ایسا فعل ہے جس کا کوئی فائدہ ہی نہیں بلکہ یہ درست ہی نہیں۔

پس کیا مذکورہ بالا کلام علمائے کرام کے نزدیک قابل قبول ہے؟ ہمیں اس بارے میں جواب مرحمت فرمائیں کہ لوگ اس مسئلے کے بارے میں بہت شش و پنج کا شکار ہیں اور انہیں قرآن وحدیث کی واضح نصوص مطلوب ہیں۔؟

﴿ جواب ﴾

میں اللہ تعالیٰ ﷻ کی مدد سے کہتا ہوں اور اللہ بزرگ و برتر ﷻ کے علاوہ کوئی طاقت وقوت نہیں، اے اللہ ﷻ! ہمیں اُس کا علم عطا فرما جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے اور ہمارے علم میں اضافہ فرما۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ : (آل عمران ۳، آیت ۸)

ترجمہ: اے ہمارے ربّ! ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے اور ہمیں خاص اپنی طرف سے رحمت عطا فرما، بیشک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد! یہ بات واضح رہے کہ ﴿أَغِثْنِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ﴾ کہنے کو قائل نے جو قابل اعتراض و بُرا گردانا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ میّت کے شعور اور اس کی سماعت کا ہی انکار کرنے والا ہے۔

پس ایسوں کے لیے جواباً عرض ہے کہ کثیر صحیح وقابل اعتماد احادیث نبویہ اس بات کا تقاضہ کرتی ہیں کہ میّت کو مرنے کے بعد بھی شعور حاصل ہوتا ہے اور وہ (مردہ) آوازوں کو سنا بھی کرتا ہے۔

﴿1﴾ صحیح بخاری میں حضرت سیدنا ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ وَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُونِي وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ يَا وَيْلَهَا أَيْنَ تَذْهَبُونَ بِهَا ؟ يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَهُ صَعِقَ :

ترجمہ: جب جنازہ رکھا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے ہیں، پس اگر تو وہ نیک شخص ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو اور اگر وہ برا شخص ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ ہائے بدنصیبی! مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو؟ اِس کی آواز کو انسان کے علاوہ ہر شئی سنتی ہے اور اگر انسان اسے سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔

(صحیح بخاری، رقم ۱۳۱۴، سنن کبریٰ، ۱/۲۷۰، مسند احمد ۳/۴۱)

پس یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ میّت کے کندھوں پر اٹھاتے ہی اُسے پتہ چل جاتا ہے اور پھر اُسے لے جاتے ہوئے بھی اس بات کا شعور ہوتا ہے نیز اسے یہ بھی بخوبی پتہ ہوتا ہے کہ اسے بھلائی ملی ہے یا برائی۔

﴿2﴾ امام بخاری (اپنی صحیح میں) مختصراً جبکہ امام طبرانی (معجم کبیر میں) مفصلاً حضرت سیدنا انس ؓ سے روایت کرتے ہیں:

جنگ یمامہ کے روز جب لوگوں میں انتشار پھیلا تو میں نے حضرت ثابت بن قیس ؓ سے کہا اور اس وقت آپ نے خوشبو لگائی ہوئی تھی، کہ اے چچا جان! کیا آپ یہ ماجرا نہیں دیکھ رہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہم اس طرح حضور نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جنگ نہیں لڑا کرتے تھے جیسا کہ تم لوگوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نامناسب سلوک کیا ہے، اے اللہ ﷻ! میں تیری بارگاہ میں ان لوگوں کے اعمال سے برأت ظاہر کرتا ہوں۔

پھر آپ اٹھے اور جنگ کرتے کرتے شہید ہو گئے، آپ کے بدن پر ایک قیمتی زِرہ موجود تھی تو ایک مسلمان شخص نے وہاں سے گزرتے ہوئے اسے لے لیا، اسی اثناء میں مسلمانوں میں سے ایک شخص سویا ہوا تھا تو حضرت ثابت ؓ اس کے خواب میں تشریف

لائے اور کہا میں تجھے ایک کام کی وصیت کرتا ہوں لیکن اگر تو نے اسے محض خواب گمان کیا تو اسے ضائع کردے گا۔

اِنِّی لَما قُتِلْتُ أَخَذَ دِرْعِیُ فُلَانٌ وَمَنْزِلُهُ فِیُ أَقْصَی النَّاسِ وَعِنْدَ خِبَائِهٖ فَرَسٌ تَسْتَنُّ وَقَدْ کَفَا عَلَی الدِّرْعِ بُرْمَةً وَفَوْقَهَا رَحْلٌ فَأْتِ خَالِدًا فَمُرْهُ فَلْيَأْخُذْهَا وَلْيَقُلْ لِأَبِیُ بَکْرٍ اِنَّ عَلَیَّ مِنَ الدَّیْنِ کَذَا وَکَذَا وَفُلَانٌ عَتِیْقٌ فَاسْتَیْقَظَ الرَّجُلُ فَأَتَی خَالِدًا فَأَخْبَرَهُ فَبَعَثَ اِلَی الدِّرْعِ فَأُتِیَ بِهَا عَلَی مَاوُصِفَ فَحَدَّثَ أَبَا بَکْرٍ بِرُؤْیَاهُ فَأَجَازَ وَصِیَّتَهُ :

ترجمہ: بیشک جب مجھے شہید کردیا گیا تو فلاں شخص نے میری زِرہ اٹھالی، اُس شخص کی رہائش فلاں مقام پر ہے اور اس کے خیمے کے پاس گھوڑا بندھا ہوا ہے نیز اس شخص نے زِرہ پر گھاس ڈال کر زین رکھی ہوئی ہے، تم حضرت خالد سے کہو کہ وہ جا کر اسے حاصل کریں اور پھر حضرت ابوبکر کو بتائیں کہ مجھ پر اتنا اتنا فلاں فلاں کا قرض ہے اور میرا فلاں غلام آزاد ہے۔

پس وہ شخص اٹھا اور اس نے جا کر حضرت خالد کو سارا خواب بیان کیا تو آپ نے کسی کو بھیجا کہ جا کر زِرہ لے آئے، تو ساری باتیں ویسی ہی نکلیں جیسا کہ خواب میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان کی تھیں، تو جب اس خواب کے بارے میں حضرت ابوبکر کو بتایا گیا تو آپ نے اُن کی وصیت کو جاری فرمایا۔

اس واقعے کو امام بغوی علیہ الرحمہ نے حضرت عطا خراسانی علیہ الرحمہ سے ایک دوسری سند کے ساتھ مفصلاً بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری، باب التحنط عند القتال، رقم ۲۸۴۵، معجم کبیر للطبرانی، رقم ۱۳۲۰، تفسیر بغوی، ۲۵۴/۴)

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ میّت کو اس بات کا کامل شعور ہوتا ہے کہ زندہ لوگ اس کے ساتھ کیا کر رہے ہیں بلکہ اسے تو یہ بھی بطریق اکمل پتہ ہوتا ہے کہ زندوں نے اس کے مال کو کہاں اور کس جگہ چھپا رکھا ہے۔

اگر اس حدیث کے مضمون پر اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرمان ہے:

فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً : (سورۂ یٰسین ۳۶، آیت ۵۰)

ترجمہ: پھر وہ نہ تو وصیّت کرنے ہی کے قابل رہیں گے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کا اچانک انتقال ہو گیا اور وہ لوگ وقت کی کمی کے پیش نظر کوئی وصیت نہیں کر سکے جیسا کہ امام ابن خازن علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

﴿3﴾ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْعَبْدُ اِذَا وُضِعَ فِیُ قَبْرِهٖ وَتُوُلِّیَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهٗ حَتّٰی اِنَّهٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَکَانِ فَأَقْعَدَاهُ :

ترجمہ: مردے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے رفقاء واپس جا رہے ہوتے ہیں تو یہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اٹھا کر بٹھا دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری، رقم ۱۳۳۸، صحیح مسلم، رقم ۷۲۱۶)

اس حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے کہ مردہ جوتوں کی آواز تک سنتا ہے جبکہ الفاظوں پر مشتمل کلام کا سننا تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔

اور جہاں تک اس کلام کا معاملہ ہے جو امام ابن ہمام علیہ الرحمہ نے لکھا ہے:

اکثر حنفی علمائے کرام نے اس حدیث ''کہ مردہ جوتوں کی آواز سنتا ہے'' کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ معاملہ تدفین کے ابتدائی مرحلے کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ دراصل اس سے کیے جانے والے سوال کی تیاری ہے۔ (فتح القدیر علی الہدایہ، ۱۰۶/۲)

تو (امام ابن ہمام علیہ الرحمہ کی یہ عبارت) ظاہر کے خلاف ہے جبکہ ظاہری بات تو یہ ہے

کہ مردے کو ایسی حالت ہمیشہ حاصل رہتی ہے اور ہم ابھی کچھ ایسے دلائل بھی پیش کریں گے
جن سے واضح ہو جائے گا کہ میّت کو ایسی سماعت کی حالت ہمیشہ حاصل رہتی ہے، اس سلسلے
میں حضور نبی کریم ﷺ کا اہل بقیع کی زیارت کرنا اور انہیں سلام کرتے ہوئے بایں الفاظ خطاب
کرنا کہ ﴿ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَأَتَاكُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُؤَجَّلُوْنَ
وَأَنَا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ ﴾ تو ایسوں کو خطاب کرنا کہ جو سننے سمجھنے کی صلاحیت ہی
نہیں رکھتے یہ تو ایک بے فائدہ سا کام ہوگا اور (یہ بھی واضح رہے کہ) مردوں کو ایسا خطاب کرنا
صرف حضور نبی کریم ﷺ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اہل قبور کی زیارت کے وقت ہر ایک
کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ کہے '' اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ ''...الخ

حضور نبی کریم ﷺ کا مردے کو (السلام علیکم کے بجائے) ''عَلَيْكَ السَّلَامُ'' کے
الفاظ سے سلام کرنے کی توجیہ میں علمائے کرام نے بیان کیا ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ
''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ'' کے الفاظ سے (مردے کو) سلام کرنا منع ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب
مردے سے (عموماً) سلام کا جواب ملنا متوقع نہیں ہوتا تو اس کے حق میں تقدیم و تاخیر برابر
ہے (یعنی چاہے السلام علیکم کہے چاہے علیک السلام) تو معلوم ہوا کہ سلام تو اسے پہنچتا ہے اگرچہ
جواب نہیں دیتا۔

﴿4﴾ امام بخاری و مسلم حضرت سیدنا قتادہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں سیدنا انس
بن مالک ؓ نے حضرت ابی طلحہ ؓ سے بیان کیا ہے:

أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِأَرْبَعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ رَجُلًا مِنْ صَنَادِيْدِ قُرَيْشٍ
فَقَذَفُوْا فِيْ طَوِيٍّ مِنْ أَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيْثٍ مُخْبِثٍ وَكَانَ اِذَا ظَهَرَ عَلَى قَوْمٍ أَقَامَ
بِالْعَرْصَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرٍ الْيَوْمَ الثَّالِثَ أَمَرَ بِرَاحِلَتِهِ فَشُدَّ عَلَيْهَا رَحْلُهَا
ثُمَّ مَشَى وَتَبِعَهُ أَصْحَابُهُ حَتَّى قَامَ عَلَى شَفَةِ الرَّكِيِّ فَجَعَلَ يُنَادِيْهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ

وَأَسْمَاءِ أَبَائِهِمْ يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ وَيَا فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهُ ؟ فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؟
فَقَالَ عُمَرُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَا أَرْوَاحَ لَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ
وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُوْلُ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَا يُجِيْبُوْنَ :

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر کے دن قریش کے چوبیس سرداروں کے
بارے میں حکم دیا تو انہیں بدر کے ایک گندے کنوئیں میں پھینک دیا گیا اور نبی کریم ﷺ کا
معمول تھا کہ جب آپ ﷺ کسی قوم پر غلبہ پا لیتے تو اس علاقے میں تین دن تک قیام فرمایا
کرتے تھے، بدر میں بھی تین دن تک قیام فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے کوچ کا حکم ارشاد
فرمایا اور سواری کو تیار کر لیا گیا تو آپ ﷺ روانہ ہوئے اور آپ ﷺ کے ساتھی آپ کے پیچھے
تھے (صحابہ کرام بیان کرتے ہیں، ہم نے گمان کیا کہ آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے جا رہے ہیں لیکن) آپ
اس کنوئیں کے کنارے آ کر کھڑے ہو گئے (جس میں مشرکین کو ڈالا گیا تھا)۔

آپ ﷺ نے انہیں اُن کے ناموں، اُن کے آباؤ و اجداد کے ناموں سے پکارا،
اے فلاں بن فلاں! اے فلاں بن فلاں! کیا اب تمہاری یہ خواہش ہے کہ تم نے اللہ تعالیٰ
ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی، ہمارے پروردگار نے تو ہمارے ساتھ
جو وعدہ کیا تھا ہم نے تو اُسے سچا پایا اور تمہارے (جھوٹے) پروردگاروں نے تم سے جو وعدہ کیا
تھا کیا تم نے بھی اسے سچا پایا؟؟

حضرت عمر ؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ ایسے جسموں سے خطاب
کر رہے ہیں جن میں روحیں ہی موجود نہیں، تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اُس ذات
کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں جو کچھ اُن سے کہہ رہا ہوں تم اِن
باتوں کو اُن سے بہتر نہیں سنتے، ہاں مگر یہ جواب نہیں دیتے۔

(حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ﷻ نے اُن لوگوں کو زندہ کیا تھا اور انہیں نبی کریم ﷺ کی باتیں سنائی تھی تا کہ انہیں زجر و توبیخ، بے عزتی، انتقام اور حسرت و ندامت کا سامنا ہو۔ کذا فی البخاری)

(صحیح بخاری، رقم ۳۹۷۶، صحیح مسلم، رقم ۲۲۳۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مردوں کے زندہ افراد کے کلام سننے کو بعید خیال فرماتے تھے تو حضور نبی کریم ﷺ نے اسے ردّ فرماتے ہوئے اس بات کو مزید پختہ کر دیا کہ مردوں کا سننا زندوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

﴿5﴾ امام ابن اسحاق علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مجھے بعض اہل علم حضرات نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَـا أَهْـلَ الْـقَـلِيبِ بِئْسَ الْعَشِيْرَةُ كُنتُم لِنَبِيِّكُم كَذَّبْتُمُونِيْ وَصَدَّقَنِي النَّاسُ وَأَخْرَجْتُمُونِيْ وَآوَانِيَ النَّاسُ وَقَاتَلْتُمُونِيْ وَنَصَرَنِيَ النَّاسُ فَجَزَاكُمُ اللّٰهُ عَنِّيْ مِنْ عِصَابَةٍ شَرًّا خَوَّنْتُمُونِيْ أَمِيْنًا وَكَذَّبْتُمُونِيْ صَادِقًا:

ترجمہ: اے کنوئیں والو! تم اپنے نبی کے کتنے بُرے رشتہ دار نکلے تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور لوگوں (یعنی انصار اور وہ مہاجرین جو ایمان لائے انہوں) نے میری تصدیق کی، تم لوگوں نے مجھے (میرے شہر سے) نکالا لیکن لوگوں (انصار) نے مجھے اپنے یہاں جگہ دی تم لوگوں نے مجھ سے لڑائی کی لیکن لوگوں (مہاجرین و انصار) نے میری مدد کی پس اللہ تعالیٰ ﷻ تمہیں میری جانب سے بری رشتہ داری نبھانے کی سزا دے تم لوگوں نے میرے امانت دار ہونے کے باوجود مجھ سے خیانت کی اور میرے سچے ہونے کے باوجود مجھے جھٹلایا۔

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام، ۲/۲۵۱، زرقانی علی المواہب، ۲/۳۰۶)

امام زرقانی نے شرح مواہب میں حضور ﷺ کے فرمان "وَلٰكِنْ لَا يُجِيْبُوْنَ" کے تحت لکھا ہے:

انہیں (مردوں کو) دنیا والوں کو جواب دینے کی اجازت ہی نہیں دی گئی جیسا کہ اللہ

تعالیٰ ﷻ کا فرمان ہے:

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ:

ترجمہ: یہ ایسا دن ہے کہ وہ (اس میں) بول بھی نہ سکیں گے، اور نہ ہی انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت کر سکیں۔ (سورۂ مرسلات ۷۷، آیت ۳۵/۳۶)

تو یہ اس بات کی اصل ہے نیز اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ بعض مردوں نے تو زندوں کو جواب بھی دیا ہے (اس لیے آپ کا استدلال درست نہیں، اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ) انہوں نے ایسا اس لیے کیا کہ انہیں اس (جواب) کی اجازت ملی ہوگی۔

(زرقانی علی المواہب، ۲/۳۰۷)

☆ امام سہیلی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

نفس حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ خلاف عادت کام صرف حضور نبی کریم ﷺ ہی کی خاطر تھا کیونکہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ ﷺ ایسے لوگوں سے خطاب کر رہے ہیں جو کہ مر چکے ہیں، تو آپ ﷺ نے انہیں جو جواب دینا تھا وہ ارشاد فرمایا:

(روض الانف شرح سیرت ابن ہشام، ۵/۱۷۵)

اور اس عبارت میں یہ اشارہ ہے کہ مقتولین بدر سے حضور نبی کریم ﷺ نے جو خطاب فرمایا وہ آپ ﷺ کی خصوصیت اور آپ کا معجزہ تھا، جیسا کہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے روایت میں حضرت سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے ان کفار و مشرکین کو زندگی بخشی تھی تا کہ وہ لوگ بطور حسرت و ندامت اور زجر و توبیخ کے حضور نبی کریم ﷺ کا کلام سنیں (اور اپنے افعال پر پچھتائیں)۔

اور یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ مضمون حدیث کو ایسی صورت پر محمول کرنا صرف احتمال و تاویل کے طور پر ہے، اس لیے اسے اختیار نہیں کیا جائے گا، جب تک سماع موتی کے ناممکن ہونے پر کوئی قوی دلیل نہ مل جائے اور اللہ تعالیٰ ﷻ اس بات پر قادر ہے (کہ مردوں کو سننے کی

قوت بخشی) اور محسوس کرنے کے لیے اُن کے حواس باقی رکھے۔

پس اگر کوئی کہے کہ حضرت سیدتنا ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے (سماع موتی کے بارے میں) حضرت امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا انکار کیا تھا اور فرمایا تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّهُمُ الآنَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ الَّذِیْ كُنْتُ اَقُوْلُ لَهُمْ هُوَ الْحَقُّ :

ترجمہ: بیشک اب انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ جو میں ان سے (توحید و رسالت کے بارے میں) **کہا کرتا تھا وہ حق ہے۔**

اس کے بعد یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ:

ترجمہ: بیشک آپ نہ (توحیاتِ ایمانی سے محروم) **مردوں کو** (حق کی بات) **سنا سکتے ہیں اور نہ ہی** (ایسے) **بہروں کو** (ہدایت کی) **پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ** (غلبہ کفر کے باعث ہدایت سے) **پیٹھ پھیر کر** (قبولِ حق سے) **رُوگرداں ہو رہے ہوں۔** (سورۂ نمل ۲۷، آیت ۸۰)

جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری (رقم ۳۹۸۰) میں روایت کیا ہے تو اس اعتراض کا چند طرح سے جواب دیا گیا ہے:

(۱) امام سہیلی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

جب یہ بات جائز ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی جاننے کی صفت کے ساتھ موصوف تھے جیسا کہ حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا (کی بیان کردہ حدیث "لَيَعْلَمُوْنَ" سے) ثابت ہے تو یہ بات بھی جائز ہے کہ وہ اُس عالم میں سنتے بھی ہوں، جیسا کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ثابت ہے اور حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے (سماع موتی کے بارے میں) جو روایت مذکور ہے، وہ صرف انہیں سے تنہا مروی نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔

اور جاننا دراصل سننے کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتا، اب برابر ہے کہ اُن کا سننا سر کے کانوں سے ہو جیسا کہ قبر میں سوال کے وقت روح مردے کے پورے یا بعض جسم میں لوٹتی ہے (تو اس وقت وہ جو سنتا ہے تو وہ سر کے کانوں سے سنتا ہے) اور یہ اکثر اہل سنت کا قول ہے یا پھر ان کا سننا دل کے کانوں سے یا روح کے ذریعے سے ہو اور یہ ان کا مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم کے بغیر ہی متوجہ ہو کر جواب دیتی ہے۔

(روض الانف شرح سیرت ابن ہشام، ۵/۱۷۵)

(۲) حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا کا ان آیات:

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ:

ترجمہ: بیشک آپ نہ (توحیاتِ ایمانی سے محروم) **مردوں کو** (حق کی بات) **سنا سکتے ہیں اور نہ ہی** (ایسے) **بہروں کو** (ہدایت کی) **پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ** (غلبہ کفر کے باعث ہدایت سے) **پیٹھ پھیر کر** (قبولِ حق سے) **رُوگرداں ہو رہے ہوں۔** (سورۂ نمل ۲۷، آیت ۸۰)

اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے فرمان:

وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ : (سورۂ فاطر ۳۵، آیت ۲۲)

ترجمہ: اور آپ کے ذمّہ ان کو سنانا نہیں جو قبروں میں (مدفون) **ہیں** (یعنی آپ کافروں سے اپنی بات قبول کروانے کے ذمہ دار نہیں ہیں)۔

سے استدلال کرنا اس صورت میں ختم ہو جائے گا جبکہ بدر کے کنوئیں والوں کے بارے میں مروی حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ سے سنانے کی نفی کر دی جائے جیسا کہ بعض حضرات نے ایسی تفصیل کا دعویٰ کیا ہے (کہ سنانے سے مراد ہے کہ آپ ﷺ بذاتِ خود اُن مردوں کے سنانے والے ہوں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کی آواز کو اُن تک پہنچانے والی ذات تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ہے، لہٰذا یہاں آپ ﷺ سے صرف اسماع کی نفی ہو گی مردوں سے سننے کی نفی نہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمام مردوں میں جب چاہے اور جیسے چاہے اور جس وقت چاہے

ایسی حالت وکیفیت کو ان کے اندر پیدا کرسکتا ہے۔

(۳) علمائے کرام نے حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس انکار کو (دیگر کثیر صحابہ کرام کے دلائل کے پیش نظر) قبول نہیں کیا۔

☆امام اسماعیلی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

ہر چند کہ حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا فہم وذکاوت اور کثرت روایت نیز بحر علم میں غواص ہونے کے لحاظ سے تمام صحابہ کرام پر فائق ہیں لیکن ثقہ اور معتمد صحابہ کرام کی روایات کو اسی وقت مسترد کیا جاسکتا ہے جبکہ اس کی مثل ثقہ روایت میں اس کے منسوخ ہونے یا مخصوص یا محال ہونے کی صراحت موجود ہو۔

اور بھلا یہ کیوں کر ہوسکتا ہے جبکہ جس بات کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا ہے اور دیگر صحابہ کرام نے جس بات کو ثابت کیا ہے، اِن دونوں باتوں کا جمع کرنا بھی ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلالُہٗ کا یہ فرمان ﴿اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی﴾ حضور نبی کریم ﷺ کے اس فرمان ﴿اِنَّھُمُ الْآنَ لَیَعْلَمُوْنَ﴾ کے منافی ہرگز نہیں کیونکہ ''اسماع'' کا مطلب ہے سنانے والے کی آواز کو سامع کے کانوں تک پہنچانا تو اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلالُہٗ ہی نے انہیں سنایا تھا بایں طور کہ اپنے نبی کریم ﷺ کی آواز کو ان تک پہنچایا تھا اور مصطفیٰ کریم ﷺ نے انہیں نہیں سنایا تو اس صورت میں آیت وحدیث کے درمیان تطبیق ہوجاتی ہے۔

اور رہا اُن کی اِس بات کا جواب کہ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمانا ﴿اِنَّھُمُ الْآنَ لَیَعْلَمُوْنَ﴾ تو اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ سے یہ الفاظ خود سنے تھے تو یہ دیگر صحابہ کرام کی اس روایت کے منافی نہیں ہوسکتے کہ ''یَسْمَعُوْنَ'' یعنی وہ اب سن رہے ہیں کیونکہ علم سماعت کے منافی نہیں، جیسا کہ ماقبل بھی ذکر ہوچکا ہے بلکہ یہ روایت تو اس کی تائید کررہی ہے کیونکہ مخاطب کو جو علم عادۃً حاصل ہوتا ہے وہ عموماً اسی طور پر

ہوتا ہے کہ وہ سن رہا ہوتا ہے۔ (شرح زرقانی علی المواہب،۲/۳۰۹)

(۴) آیت میں ''مَوْتٰی'' (مردوں) اور ''مَنْ فِی الْقُبُوْرِ'' سے مراد کفار ہیں کہ اُن کے دل مرچکے ہیں بایں طور کہ اُن میں نصیحت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں اور ان کے جسم گھر کی مانند ہیں جن میں وہ مردہ دل رکھے ہوئے ہیں گویا یہ اُن کے لیے قبریں ہیں، یہ گفتگو بطریق مجاز ہے اور اس میں حقیقت مراد نہیں ہے اور سننے کی نفی سے مراد اُن کا دعوتِ حق کو قبول نہ کرنا ہے، اِس بات پر دلیل یہ ہے کہ یہ آیتیں دراصل کفار کو ایمان کی طرف بلانے اور ان کے اِعراض کرنے کے بارے میں نازل ہوئیں۔

(۵) حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس موقف سے انکار کرلیا تھا جیسا کہ مواہب لدنیہ میں غریب سے منقول ہے کہ امام ابن اسحاق نے اپنی مغازی میں یونس بن بکیر علیہ الرحمہ سے سندِ جیّد کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی مثل روایت کیا ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ ''تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں جو میں انہیں کہہ رہا ہوں، اسے امام احمد علیہ الرحمہ نے بھی سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

تو ہوسکتا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نزدیک دیگر صحابہ کرام کی بکثرت روایات متحقق ہوگئی تھیں تو آپ نے اپنے موقف سے رجوع کرتے ہوئے ان ہی کی روایت کے مطابق آگے روایت کیا تھا اور یہ اس سبب سے بھی تھا کہ آپ رضی اللہ عنہا بذاتِ خود غزوہ بدر میں حاضر نہ تھیں۔

آپ رضی اللہ عنہا کے رجوع کرنے کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب انہوں نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت کی تو انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

وَاللّٰهِ لَوۡحَضَرۡتُكَ مَا دَفَنۡتُكَ اِلَّا حَيۡثُ مُتَّ وَلَوۡ شَهِدۡتُكَ مَازُرۡتُكَ:

ترجمہ: اللہ کی قسم! اگر میں تمہارے انتقال کے وقت موجود ہوتی تو تمہیں اسی جگہ دفن کرتی جہاں تمہارا وصال ہوا تھا اور اگر میں اس وقت موجود ہوتی تو اب زیارت نہ کرتی۔(آپ کے بھائی کا وصال حبشی نامی ایک جگہ میں ہوا تھا پھر وہاں سے انہیں لاکر مکہ مکرمہ میں دفن کیا گیا تھا)۔ (سنن ترمذی، باب ماجاء فی زیارۃ القبور للنساء، رقم ۱۰۵۵)

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

جس وقت تک میرے گھر میں حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تدفین ہوئی تھی تو میں عام لباس میں رہا کرتی تھی کیونکہ وہاں میرے شوہر اور والد کے علاوہ کوئی غیر نہیں تھا لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں دفن کر دیئے گئے تو میں ان سے حیا کرتے ہوئے با قاعدہ پردے کا اہتمام کرتی تھی۔ (مسند احمد، رقم ۲۵۶۶۰، مجمع الزوائد للہیثمی، ۸/۶۱۵)

اس روایت میں تو میّت کا زندوں کی طرح قوتِ ادراک رکھنے کا ثبوت ملتا ہے چہ جائیکہ اُن کے سننے کا ثبوت (کہ یہاں تو اس سے بھی اعلیٰ بات کا ثبوت مل رہا ہے، لہٰذا سننا تو خود ہی ثابت ہو جائے گا)۔

پس اگر تم کہو! کہ آپ نے یہ کلام کیسے کہہ دیا حالانکہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر کی کتاب الجنائز میں لکھا ہے:

اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ میّت نہیں سنتی، اسی سبب سے کتاب الایمان کے ''**باب الیمین بالضرب**'' کے تحت لکھا ہے:

اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ کسی سے بھی کلام نہیں کرے گا اور پھر اس نے کسی مردے سے کلام کرلیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور اپنے حال پر برقرار رہے گی کیونکہ قسم اُس صورت میں ٹوٹتی جبکہ مخاطب اس کے کلام کو سمجھتا جبکہ میّت اس کیفیت کی حامل ہی نہیں۔

(فتح القدیر علی الہدایہ، ۲/۱۰۶)

میں کہتا ہوں! کہ حضور ﷺ سے سماعِ موتی کا ثبوت بایں طور موجود ہے کہ ارشاد فرمایا:

''**اِنَّهُ لَيَسۡمَعُ قَرۡعَ نِعَالِهِمۡ**'' ''**مَاأَنۡتُمۡ بِأَسۡمَعَ لِمَا أَقُوۡلُ مِنۡهُمۡ**'' اور مردوں سے بایں طور خطاب کرتے ہوئے فرمانا ''**اَلسَّلَامُ عَلَيۡكُمۡ**'' (یہ سب سماعِ موتی کی دلیل ہیں)۔

تو اب کسی انصاف پسند عالم حق کو اس بات کی طرف رجوع کیے بغیر چارہ نہیں ہونا چاہیے جو کہ حضور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، لہٰذا اسی پر فتوی ہوگا اور اس پر اعتماد کیا جائے گا اور اس کے علاوہ سے اِعراض کیا جائے گا اگرچہ اُس کا قائل کوئی بڑا امام ہی کیوں نہ ہو۔

العلم ما قال اللّٰه وقال رسوله ان صحّ والاجماع فاجهد فيه
وحذر من نصب الخالف جهالة بين الرسول و بين رأى فقيه

ترجمہ: علم تو دراصل اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور اس کے رسول کریم ﷺ ہی کے فرامین کا نام ہے اور اگر ان کی کسی صورت (کسی مسئلے پر) اجماع ہو جائے پھر تو اسے لازمی اختیار کیا جائے اور جو شخص جہالت کی بنا پر رسول کریم ﷺ اور فقہا کرام کے اقوال میں مخالفت کے درپے ہو تو اُس سے کنارہ کش رہو۔

جمال الدین ہادی ابن ابراہیم علیہ الرحمہ نے کہا:

عليك بما كان النبى محمّدٌ عليه — ودع ما شئت من قول قائل
هو المنسك المرضى و المذهب الذى — عليه مضى خير القرون الاوائل
فدِن بالذى دان النبى وصحبه — من الدين واترك غيرهم فى بلائل
هم الشامة الغرّا و سادة ذا الورى — وهم بهجة الدنيا و نور القلائل
اذا أنت لم تسلك مسالك رشدهم — وتمسك من اقوالهم بالوسائل
فقد فاتك الحظّ السَّنِىُّ ولم تكن — الى الحق من نهج السبيل بواصل
عليك بهدى القوم تنج من الرّدى — وتعل بهم فى الفوز أعلى المنازل

ترجمہ: تم پر لازم ہے کہ جس پر طریقے حضور نبی کریم ﷺ ہوں اسی طریقے کو اختیار کرو اور ان کے علاوہ ہر ایک کی بات سے اعراض کرو، کیونکہ یہی پسندیدہ راستہ و مذہب ہے جس پر خیر القرون نے عمل کیا ہے اور جن باتوں کو حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام نے ترجیح دی انہی کو تھام لو اور بقیہ کو وساوس کی وادی میں چھوڑ دو، کہ یہی چمکتے ہوئے سردار اور دنیا کی رونق و نور ہیں، لیکن اگر تم ان کی کامیاب روش پر نہ چلے اور ان کے ہدایت یافتہ فرامین کو (اختیار کرنے کے بجائے) وسائط کے جویاں رہے تو گویا تم نے بہت بڑے حصے کو ضائع کر دیا، اب تمہیں معرفت حق کے راستوں کی خبر نہیں ملے گی، ہاں اگر تم اب بھی فلاح کے خواہاں ہو تو ان کی پیروی اختیار کر لو یہ تمہیں پستی سے نکال کر بالاتر کر دے گی اور کامیابی کی اعلیٰ منازل تک پہنچا دے گی۔

اور باقی جو قسم کے بارے میں کہا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے، اس سے حقیقت سماع کی نفی لازم نہیں آتی جیسا کہ کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا پھر اس نے مچھلی کھائی تو قسم نہیں ٹوٹے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے قرآن پاک میں اسے گوشت قرار دیا ہے:

وَهُوَ الَّذِی سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا: (سورۂ نحل ۱۶، آیت ۱۴)

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے (فضا و برّ کے علاوہ) بحر (یعنی دریاؤں اور سمندروں) کو بھی مسخر فرما دیا تا کہ تم اس میں سے تازہ (و پسندیدہ) گوشت کھاؤ۔

☆ امام ابن ہمام علیہ الرحمہ نے فتح القدیر میں "فصل زیارۃ النبی ﷺ" کے تحت لکھا ہے:

علمائے کرام نے زیارت قبور کے آداب میں بیان کیا ہے کہ زائر کو چاہیے کہ وہ میّت کے پاؤں کی طرف سے آئے اور سرہانے سے نہ آئے کیونکہ اس سے میّت کو دیکھنے میں دشواری ہوتی ہے البتہ پاؤں کی طرف سے آنے میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ وہ جگہ میّت کی

آنکھوں کے بالکل سامنے ہی ہوتی ہے اور میّت اپنے قدم کی جانب دیکھ رہی ہوتی ہے۔

اس عبارت میں (امام ابن ہمام علیہ الرحمہ) نے میّت کے دیکھنے کی قوت کو ثابت فرمایا ہے اور یہ قوتِ (بصر) سماعت سے کم تر ہے کیونکہ آنکھ کا دیکھنا روشنی کا محتاج ہے لیکن آپ نے افادہ فرمایا کہ مٹی کی تہیں ہونے کے باوجود بھی اس کے زائر کو دیکھنے میں کوئی مانع نہیں ہوتا تو پھر اس بات کے پیش نظر یہ زیادہ لائق ہے کہ میّت سے سننے کی قوت کی نفی نہ کی جائے۔

چلیں! اگر بالفرض ہم اس بات سے بھی تنزل اختیار کریں تو سننے کی نفی کرنے سے علم کی نفی تو لازم نہیں آتی کیونکہ سماعت کا تعلق تو اُس حاسہ سے ہوتا ہے جو کہ بدن میں ودیعت ہوتا ہے اور جسم تو قبر میں خراب ہو چکا ہے لیکن علم کا تعلق تو روح کے ساتھ ہوتا ہے اور روح باقی ہے تو ایسی صورت میں علم قوائے جسمانیہ کے ساتھ متعلق نہیں ہوگا بلکہ مسموعات اور مبصرات کے ساتھ ہوگا بایں طور کے اسے دیکھنے کے لیے آنکھ کی شعاعوں اور سننے کے لیے آواز کی ضرورت نہیں ہوگی، جیسا کہ بعض مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ ﷻ کے سننے اور دیکھنے کے بارے میں مسموعات و مبصرات کے علم ساتھ تاویل کی ہے۔

اور یہ نیک بندے جو انتقال کر چکے ہیں اور صفاتِ بشری سے آزاد اور رذیل دنیوی آلائشوں سے دُور ہو کر اللہ تعالیٰ ﷻ کی ملاقات کا لطف پانے کی وجہ سے ابدی سعادت حاصل کر چکے ہیں جس کی برکت سے اِن پر بارگاہ الٰہی سے انوار و اکرام نازل کیا گیا اور ان پر ہر مخفی شیٔ واضح ہو گئی، تمام دنیوی پردے اٹھا دیئے گئے اور دُوریاں سمیٹ دی گئی ہیں اور ایسا معاملہ دنیا ہی میں بعض افراد کو بھی دیا گیا جیسا کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا "یَا سَارِیَةَ الْجَبَل" کہنا تو بھلا ان کا عالم کیا ہوگا جو دنیا سے گذر کر لقائے ربانی کے سبب شقاوت کی سختیوں سے محفوظ ہو گئے۔

اِذَا مَا بَدَتْ فَكُلِّی أَعینُ   وَاِنْ هِیَ نَاجَتْنِی فَكُلِّی مَسَامِعُ

ترجمہ: اگر وہ محبوب نظر آئے تو میں (اس کے دیدار کے لیے) پورے وجود ہی کو آنکھیں بنا لوں (تاکہ سارا جسم اس کے دیدار سے خیرہ ہوسکے) اور اگر وہ مجھ سے سرگوشی کرے تو پورا ہی کان بن جاؤں (تاکہ بس اُسی کے نغمے میرے وجود میں گونجیں)۔

بیشک کثیر آثار و اخبار اس بارے میں موجود ہیں کہ مردوں کو اپنے زیارت کرنے والوں کے بارے میں علم ہوتا ہے اور اسی طرح اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ مردوں کو احوال آخرت اور دین کی حقیقت و سچائی کا علم ہوجاتا ہے جب ایسا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں دنیا اور دنیا والوں کے احوال کا بھی علم ہو۔

روح کے عالم برزخ میں ہونے کے باوجود ان کے حصولِ علم کے ثبوت پر دلیل وہ احادیث ہیں کہ جب شہداء اللہ تعالیٰ ﷻ کے پاس اس کی نعمت و رحمت کو دیکھ لیں گے تو عرض کریں گے کہ ہمارے اس حال کی خبر ہمارے بھائیوں تک کون پہنچائے گا تو اللہ تعالیٰ ﷻ کرم فرماتے ہوئے ارشاد فرمائے گا: میں انہیں اس بارے میں بتاؤں گا پس اللہ تعالیٰ ﷻ نے اپنے اس فرمان میں ان کی حالت کا ذکر فرمایا ہے:

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِینَ قُتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰهِ أَمۡوَاتًا بَلۡ أَحۡیَاءٌ عِندَ رَبِّهِمۡ یُرۡزَقُونَ فَرِحِینَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِن فَضۡلِهِ : (سورہ آل عمران۳، آیت ۱۶۹/۱۷۰)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ کرنا، بلکہ وہ اپنے ربّ کے حضور زندہ ہیں انہیں (جنت کی نعمتوں کا) رزق دیا جاتا ہے، وہ (حیاتِ جاودانی کی) ان (نعمتوں) پر فرحاں وشاداں رہتے ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرما رکھی ہیں۔

اور روایات میں موجود ہے کہ وہ شہدائے کرام جنہیں بیر معونہ کے واقعے میں شہید کردیا گیا تھا انہوں نے کہا کہ ہمارے بھائیوں کو یہ خبر دے دی جائے کہ ہم نے اپنے ربّ

ﷻ سے اس حال میں ملاقات کی ہے کہ وہ ہم سے راضی ہے اور اس نے ہمیں بھی راضی کردیا ہے۔ یہ قرآن کی آیت تھی (یعنی اصحاب بئر معونہ کے بارے میں قرآن پاک کی آیات موجود تھیں) جسے ہم تلاوت کیا کرتے تھے اور انہیں بعد میں منسوخ کردیا گیا۔ حدیث میں ہے:

﴿6﴾ أَنَّ الۡمَیِّتَ إِذَا فَرَغَ مِنۡ جَوَابِ الۡمَلَکَیۡنِ بِالۡخَیۡرِ یُنَوَّرُ لَهُ فِی الۡقَبۡرِ وَیُقَالُ لَهُ نَمۡ کَنَوۡمِ الۡعُرُوۡسِ فَیَقُوۡلُ لَهُ أَرۡجِعُ إِلَی أَهۡلِی فَأُخۡبِرُهُمۡ ؟ :

ترجمہ: جب میّت فرشتوں کو بخیر وعافیت جواب دے کر فارغ ہوجاتی ہے تو اس کے لیے قبر کو منور کردیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے، سوجا! جیسے دلہن سوتی ہے، تو میّت کہتی ہے کہ کیا میں اپنے گھر والوں کو جاکر اس (انعام واکرام) کے بارے میں بتاؤں؟۔

(سنن ترمذی، رقم ۱۰۷۱، صحیح ابن حبان، رقم ۳۱۱۷)

تو اس سے معلوم ہوا کہ مردے کو اپنے اہل وعیال اور دوست واَحباب کا بھی علم ہوتا ہے اور قرآن پاک میں اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ کفار دنیا میں واپس لوٹنے کی تمنا ظاہر کریں گے اور اپنی گمراہ سنگتوں پر حسرت کریں گے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ﷻ ہے:

یَا وَیۡلَتَیٰ لَیۡتَنِی لَمۡ أَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیلًا : (سورۂ فرقان ۲۵، آیت ۲۸)

ترجمہ: ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔

تو جب انہیں قیامت کے دن اپنے رفقاء واَحباب کا علم ہوگا تو برزخ میں اس بات کا پایا جانا زیادہ واضح ہے نیز ان دلائل میں تاویل کی بھی چنداں ضرورت نہیں جیسا کہ ہم نے ماقبل صحیح واضح دلائل (میّت کے) علم وسماعت کے اثبات میں لکھ دیئے ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں صرف احادیث سے بے خبر شخص یا دین سے بیزار ہی انکار کرے گا اور مردوں سے تو سماعت سے بھی بدر جہا اولیٰ گفتگو اور تلاوتِ قرآن تک کا ثبوت موجود ہے۔

(۱) کلام :

مردوں سے کلام کے ثبوت پر کثیر دلائل وشواہد موجود ہیں اور کچھ دلائل ہم نے ماقبل ذکر بھی کئے ہیں، جیسا کہ ربعی بن خراش علیہ الرحمہ وغیرہ کا واقعہ کہ کثیر افراد نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ انہوں نے وصال کے بعد گفتگو فرمائی۔

(۲) تلاوت قرآن پاک :

﴿7﴾ امام ترمذی علیہ الرحمہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ خِبَاءَهُ عَلَى قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسَبُ أَنَّهُ قَبْرٌ فَإِذَا فِيهِ قَبْرُ إِنْسَانٍ يَقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتَّى خَتَمَهَا فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ: إِنِّي ضَرَبْتُ خِبَائِي عَلَى قَبْرٍ وَأَنَا لَا أَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُورَةَ الْمُلْكِ حَتَّى خَتَمَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ هِيَ الْمَانِعَةُ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ:

ترجمہ: صحابہ کرام میں سے کسی نے ایک قبر پر خیمہ لگا دیا اور انہیں معلوم نہیں تھا کہ وہاں قبر ہے پھر پتہ چلا کہ نیچے قبر ہے اور اس میں کوئی شخص سورۂ ملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ پڑھنے والے نے اسے ختم کر دیا تو وہ صحابی حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں نے نادانستہ طور پر ایک قبر پر خیمہ لگا دیا تو اچانک کسی کے سورۂ ملک پڑھنے کی آواز سنی یہاں تک کہ اسے مکمل ختم کر دیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ (سورت) عذاب قبر کو روکنے والی اور اُس سے نجات دینے والی ہے۔

(سنن ترمذی، فضائل القرآن، رقم ۲۸۹۰، معجم کبیر للطبرانی، رقم ۱۲۸۰۱)

مردوں کی سماعت، ادراک وشعور اور زندوں سے کلام کرنے اور تلاوت قرآن کرنے کے بارے میں اسی قدر دلائل کافی ہیں، اس لیے اس سے انکار کی کوئی وجہ جواز نہیں بنتی ہے۔

ندائے غیر اللہ کا مسئلہ

جو لوگ غیر اللہ کے نداء کرنے کو ناجائز کہتے ہیں تو اُن کے جواب میں یوں عرض ہے کہ اُن حضرات کا استدلال ہی درست نہیں ہے کیونکہ امام ابن السّنی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "**عمل الیوم واللیلة**" میں "**باب ما یقول اذا خدرت رجله**" کے تحت حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

﴿8﴾ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ جا رہا تھا کہ اچانک اِن کا پاؤں سُن ہو گیا تو وہ بیٹھ گئے، اتنے میں کسی شخص نے عرض کی آپ اپنی سب سے محبوب شخصیت کو یاد کریں تو انہوں نے پکارا "**یَامُحَمَّدَاہ**" (یہ کہتے ہی صحیح ہو گئے) اور اٹھ کر چلنے لگے۔

(الادب المفرد للبخاری، رقم ۹۹۳، عمل الیوم واللیلہ، رقم ۱۶۷)

﴿9﴾ اسی طرح انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا تو اِن کا پاؤں سُن ہو گیا میں نے ان سے کہا، اے ابوعبدالرحمٰن! آپ کے پاؤں کو کیا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا: رگیں اکڑ گئیں ہیں، میں نے کہا کہ آپ اپنی سب سے محبوب شخصیت کو یاد کریں تو آپ رضی اللہ عنہما نے پکارا "**یَامُحَمَّدُ**" (پھر ٹھیک ہونے پر) مسکرانے لگے۔ (عمل الیوم واللیلہ، رقم ۱۷۱)

﴿10﴾ اسی طرح حضرت ہیثم ابن حنش علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

ہم حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو (ابن العاص) رضی اللہ عنہما کے پاس تھے کہ اِن کا پاؤں سُن ہو گیا تو کسی شخص نے ان سے کہا کہ آپ اپنی سب سے محبوب شخصیت کو یاد کریں تو انہوں نے پکارا "**یَامُحَمَّدُ**" کہتے ہیں کہ یوں لگا جیسے انہیں رسّی کی قید سے آزاد کر دیا گیا ہو۔

ان روایات سے پتہ چلا کہ وصال کے بعد بھی دُور و نزدیک ہر جگہ سے میّت کو نداء کرنا جائز ہے اور اس بات کی تائید تشہد میں مذکور اِن الفاظوں سے بھی ہوتی ہے " **اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ**" پس (" أَیُّهَا " میں) "أَیْ" حرف نداء ہے اور اس میں وصال کے بعد حضور ﷺ کو خطاب کیا جا رہا ہے۔

ان دلائل سے واضح ہوا کہ ندا کرنے کا جواز میّت کے قریب یا بعید ہونے کے ساتھ مشروط نہیں ہے بلکہ کسی بھی جگہ سے ندا کرنا جائز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا جہاں بھی ہو اِن الفاظوں کے ادا کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہے۔

غیر اللہ سے استغاثہ (مدد طلب) کرنے کا مسئلہ

جو لوگ اسے ناجائز کہتے ہیں، اُن کے لیے جواب یہ ہے کہ اُن حضرات کا یہ استدلال ہی درست نہیں ہے۔

﴿11﴾ امام طبرانی علیہ الرحمہ "معجم کبیر" میں ثقہ راویوں کی سند سے حضرت عقبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا أَضَلَّ أَحَدُکُمْ شَیْئًا أَوْ أَرَادَ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَیْسَ بِهَا أَنِیْسٌ فَلْیَقُلْ یَاعِبَادَ اللّٰهِ أَعِیْنُوْنِیْ فَاِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا لا تَرَوْنَهُمْ:

ترجمہ: جب تمہاری کوئی چیز گم ہو جائے یا تمہیں مدد مطلوب ہو کہ کسی ایسی جگہ میں ہو جہاں کوئی پرسان حال نہ ہی ہو تو چاہیے کہ پکارو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کہ بے شک اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جنہیں تم نہیں دیکھ پاتے۔ (معجم کبیر للطبرانی، ۱۷/۱۱۷، رقم ۲۹۰)

اور یہ عمل مجرب ہے (یعنی اس عمل کو بہت سے افراد نے پریشانی میں آزمایا ہوا ہے)۔

﴿12﴾ امام ابن ابی شیبہ اپنی "مصنّف" میں حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کرتے ہیں:

اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِکُمْ فَلْیُنَادِ أَعِیْنُوْنِیْ عِبَادَ اللّٰهِ رَحِمَکُمُ اللّٰهُ

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کی سواری بھاگ جائے (یا گم ہو جائے) تو اسے چاہیے کہ پکارے، اے اللہ ﷻ کے بندو! میری مدد کرو اللہ ﷻ تم پر رحم فرمائے۔ (اس عمل کو موجودہ زمانے میں گاڑی وغیرہ گم ہونے یا چھن جانے کی صورت میں بھی پڑھا جا سکتا ہے، ان شاءاللہ آسانی ہوگی)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۵/۳۴۵، عمل الیوم واللیلہ، رقم ۵۰۹)

﴿13﴾ مصائب میں میّت سے پناہ طلب کرنے کے بارے میں یہ دلیل ہے کہ جسے امام ابن السّنی علیہ الرحمہ اپنی کتاب "**عمل الیوم واللیلة**" میں حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

اِذَا کُنْتُ بِوَادٍ تَخَافُ فِیْهِ السَّبَاعَ فَقُلْ أَعُوْذُ بِدَانِیَال وَبِالْجَبِّ مِنْ شَرِّ الْأَسَدِ

ترجمہ: اگر تم کسی ایسی جگہ موجود ہو جہاں درندوں کا خوف لاحق ہو تو چاہیے کہ یوں کہو، میں شیر کے شرّ سے دانیال کی پناہ لیتا ہوں۔

بیشک قوی دلائل وصحیح اسانید کے ساتھ حیات انبیاء کرام اور خصوصاً حضور نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ثبوت ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ﷻ اور اس کے فرشتے حضور نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کا صلوٰۃ وسلام آپ ﷺ تک پہنچاتے ہیں خواہ پڑھنے والا کہیں بھی ہو اور ایسے شخص کو نہ جھٹلایا جائے جو یہ کہے کہ اس نے حضور نبی کریم ﷺ کی بیداری میں زیارت کی ہے کیونکہ احادیث میں مذکور ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بلند آواز سے تلبیہ پڑھ رہے تھے اسی طرح حضرت سیدنا یونس علیہ السلام (کو اونٹنی پر سوار تلبیہ پڑھتے ہوئے) دیکھا۔

اسی طرح کفار میں سے بھی جسے اللہ تعالیٰ ﷻ نے چاہا عذاب وسزا کی زیادتی اور ایمان والوں کی نصیحت کے لیے زندہ فرمایا اور اس پر کسی نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا جیسا کہ امام طبرانی علیہ الرحمہ "معجم اوسط" میں اور امام ابن ابی الدنیا و دیگر حضرت سیدنا ابن عمر

رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

﴿14﴾ میں بدر کے میدان میں گھوم رہا تھا کہ اچانک گڑھے سے ایک شخص نکلا جس کی گردن بندھی ہوئی تھی اس نے مجھے پکارا اے عبداللہ! مجھے پانی پلا دو، اے عبداللہ! مجھے پانی پلا دو، تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے مجھے (پہچانتے ہوئے) نام سے پکارا یا عرب کے معمول کے مطابق پکارا (کیونکہ عرب کا بھی معمول بھی یہی تھا کہ نام معلوم نہ ہونے کی صورت میں عبد اللہ کہتے تھے اور یہ زمانہ جاہلیت کے بعد کی بات ہے) اتنے میں اس کے پیچھے ایک سیاہ رنگ کا شخص نمودار ہوا جس کے ہاتھوں میں کوڑا تھا۔

اس نے مجھے پکار کر کہا اے عبداللہ! اسے پانی مت پلانا یہ کافر ہے پھر اُس نے کوڑے مارتے ہوئے اسے گڑھے میں داخل کر دیا تو میں جلدی سے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: کیا تم نے اس شخص کو دیکھا تھا؟ میں نے عرض کی جی ہاں! تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ اللہ ﷻ کا دشمن ابوجہل بن ہشام تھا اور اسے قیامت تک یہ عذاب دیا جائے گا۔

(معجم اوسط للطبرانی، رق ۷/ ۲۸۷، رقم ۶۵۵۶، کتاب القبور لابن ابی الدنیا، ص ۴۷)

امام ابن ابی الدنیا علیہ الرحمہ نے حضرت سیدنا شعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کی:

﴿15﴾ میں میدان بدر سے گزر رہا تھا تو میں نے زمین سے ایک شخص کو باہر نکلتے ہوئے دیکھا اتنے میں اس کے ساتھ موجود دوسرے شخص نے اسے کوڑے مارتے ہوئے دوبارہ زمین میں لوٹا دیا کچھ دیر بعد وہ پھر باہر نکلا تو اس کے ساتھ پھر ویسا ہی ہوا اسی طرح چند مرتبہ ہوا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ ابوجہل بن ہشام تھا اسے قیامت تک اسی طرح کا عذاب دیا جاتا رہے گا۔

امام زرقانی علیہ الرحمہ نے شرح مواہب لدنیہ میں لکھا ہے:

وہ نامعلوم شخص جسے شعبی نے ذکر کیا ہے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابوجہل کے ساتھ ایسے عذاب کو دیکھنے والے متعدد افراد ہوں۔

(زرقانی علی المواہب، ۲/ ۳۱۶)

امام سمہودی علیہ الرحمہ نے ''الوفاء'' میں لکھا ہے:

جان لو! بیشک حضور نبی کریم ﷺ سے استغاثہ کرنا اور شفاعت طلب کرنا نیز آپ ﷺ کے مقام و مرتبے سے اللہ تعالیٰ ﷻ کا قرب حاصل کرنا دراصل انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور بزرگان دین کی سنت مبارکہ ہے اور آپ ﷺ سے شفاعت و استغاثہ آپ کی ولادت اَقدس سے قبل، دنیاوی حیات مبارکہ، عالم برزخ اور میدان قیامت ہر جگہ ثابت و متحقق ہے۔ (خلاصۃ الوفاء باخبار المصطفیٰ للسمہودی، ۴/ ۱۳۷۱)

ولادت ظاہری سے قبل آپ ﷺ سے توسل

اس بارے میں انبیائے کرام علیہم السلام کے کثیر واقعات موجود ہیں ہم ان میں سے ایک معروف روایت جسے امام حاکم علیہ الرحمہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿16﴾ لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ قَالَ يَارَبِّ أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِيْ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : يَاآدَمُ وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ أَخْلُقْهُ ؟ قَالَ يَارَبِّ لِأَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِيْ فَرَأَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَعَرَفْتُ أَنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِلٰى اِسْمِكَ اِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيْكَ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: صَدَقْتَ يَاآدَمُ ! اِنَّهُ لَأَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيَّ اِذْ سَأَلْتَنِيْ بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَاخَلَقْتُكَ:

ترجمہ: جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا تو بارگاہ الٰہی میں عرض گزار ہوئے اے میرے ربّ! میں تجھ سے محمد ﷺ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ میری بخشش فرما دے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا: اے آدم! تو نے محمد کو کیسے پہچان لیا حالانکہ میں نے انہیں ابھی (ظاہری وجسمانی طور پر) پیدا ہی نہیں کیا؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی، اے میرے ربّ! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی برگزیدہ روح کو پھونکا تو میں نے سر کو اٹھایا پس عرش الٰہی کے پایوں پر یہ لکھا ہوا پایا۔ ''**لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**'' تو میں نے جان لیا کہ تیرے نام کے ساتھ صرف اسی کا نام ملا ہوا ہوسکتا ہے جس سے تو مخلوق میں سب سے زیادہ محبت فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا، اے آدم! تو نے سچ کہا، بیشک وہ تمام مخلوق میں مجھے سب سے محبوب ہے اور جب تو نے مجھ سے اُس کے وسیلے سے سوال کیا ہے تو میں تجھے بخشش دیتا ہوں اور اگر محمد نہ ہوتے میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔

امام طبرانی علیہ الرحمہ نے اپنی روایت میں اتنا زیادہ لکھا ہے:

" وَهُوَ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ "

ترجمہ: وہ تیری اولاد میں تمام نبیوں میں سے آخری ہوں گے۔

(مستدرک للحاکم، ۳/ ۵۱۷، رقم ۴۲۸۶، معجم اوسط للطبرانی، رقم ۶۴۹۸، البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ۱/ ۱۲۷)

امام سبکی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

جب اعمال سے توسل کرنا جائز ہے جیسا کہ غار والوں کی صحیح حدیث میں موجود ہے حالانکہ اعمال بھی تو مخلوق ہی ہیں پس حضور نبی کریم ﷺ سے سوال کرنا تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا اور عموماً ہوتا بھی یوں ہی ہے کہ اگر کسی شخص کی دوسرے شخص کے یہاں کوئی قدر و منزلت ہو اور کوئی اس کی غیر موجودگی میں اس کے ذریعے سے استدعا کرے تو دوسرا شخص اپنے مقرب کی وجہ سے اسے عزت بخشتا ہے اور محبوب یا قابل تعظیم شخص کا ذکر باعث قبولیت ہوتا ہے۔

اور ان اُمور کو توسل، استغاثہ، شفاعت وغیرہ سے تعبیر کرنے میں کوئی خاطر خواہ فرق نہیں ہے، اِن سب کا ماحصل یہ ہے کہ حاجت کے وقت اِس شخصیت کے وسیلے سے اُس ہستی کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرانا ہے جس کی بارگاہ میں اِس شخصیت کا مقام و مرتبہ ہے اور جو ہستی خود اِس سے زیادہ مرتبے والی ہے۔

دنیاوی زندگی میں حضور نبی کریم ﷺ سے توسل

﴿17﴾ امام نسائی (اپنی سنن میں) اور امام ترمذی اپنی جامع کی ''کتاب الدعوات'' میں حضرت سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يُعَافِيَنِيْ قَالَ اِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَاِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قَالَ فَادْعُ : فَأَمَرَهُ أَنْ يَّتَوَضَّاءَ فَلْيُحْسِنْ وُضُوْءَهُ وَيَدْعُوْ بِهٰذَا الدُّعَاءِ أَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَامُحَمَّدُ اِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلَى رَبِّيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهِ لِتُقْضٰى لِيْ : أَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ:

ترجمہ: ایک نابینا شخص حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے دعا کیجئے کہ مجھے شفا عطا فرمائے، آپ نے فرمایا: اگر چاہو تو دعا کروں اور اگر چاہو تو صبر کرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے تو اس نے عرض کی دعا فرمائیں، تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ جا کر اچھی طرح وضو کرو اور اس طرح دعا مانگو۔

اے اللہ میں تیرے نبیٔ رحمت محمد ﷺ کے وسیلے سے تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، یارسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کے وسیلے سے اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت بر آئے، اے اللہ! تو میرے حق میں حضور ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔

☆امام بیہقی علیہ الرحمہ نے اس روایت کی تصحیح کرتے ہوئے اتنے اضافہ کیا ہے:

فَقَامَ وَقَدُ أَبُصَرَ

ترجمہ: جب وہ شخص کھڑا ہوا تو دیکھ رہا تھا۔

جبکہ ایک روایت میں ہے: فَفَعَلَ الرَّجُلُ فَبَرَأَ

ترجمہ: اس نے وہ عمل کیا تو صحت یاب ہو گیا۔

(سنن کبریٰ للنسائی، رقم ۱۰۴۱۹، سنن ترمذی، رقم ۳۵۷۸، دلائل النبوۃ للبیہقی، ۶/۱۶۶)

حضور نبی کریم ﷺ سے وصال کے بعد توسل

﴿18﴾ امام طبرانی ''معجم کبیر'' میں حضرت سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ایک شخص حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی کوئی حاجت لے کر گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں فرمائی اور نہ ہی اس کی حاجت پوری فرمائی تو اس کی ملاقات عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ہوئی تو اس نے اپنے معاملے کی شکایت پیش کی، آپ نے فرمایا: وضو خانے جاؤ، وضو کرو اور پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کرو پھر یوں دعا مانگو:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیُ اَسُأَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيُكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحُمَةِ يَامُحَمَّدُ اِنِّیُ تَوَجَّهُتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیُ فِیُ حَاجَتِیُ هٰذِهٖ لِتُقُضٰی لِیُ :

ترجمہ: اے اللہ! میں تجھ سے تیرے نبی محمد نبیِ رحمت ﷺ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں اور اے محمد! میں آپ کے ربّ عزوجل کی بارگاہ میں آپ ﷺ کے وسیلے سے ملتجی ہوں کہ میری حاجت پوری کر دی جائے۔

اور پھر اپنی حاجت طلب کرو۔ پس وہ شخص گیا اور اس نے ویسا ہی کیا پھر وہ حضرت

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا تو دربان نے آ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا پس آپ نے اسے اپنے ساتھ چٹائی پر بٹھایا اور پوچھا تیری کیا حاجت ہے؟ تو اس نے اپنا سوال پیش کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے پورا کر دیا اور فرمایا: اگر کوئی اور حاجت بھی ہو تو ابھی مانگ لو؟

اس نے عرض کی مزید کوئی حاجت نہیں، پھر وہ شخص وہاں سے نکلا تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ عزوجل تمہیں جزائے خیر دے کہ اگر آپ ان کے پاس میرے لیے سفارش نہ کرتے تو شاید وہ میری جانب کوئی توجہ ہی نہ فرماتے اور نہ ہی میری حاجت پوری ہوتی۔

تو حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اس بارے میں ان سے کوئی بات نہیں کی البتہ معاملہ یوں ہے کہ میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے اپنے اندھے پن کی شکایت کی تو حضور نبی کریم ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا: اگر تم چاہو تو میں تمہارے لیے دعا کروں اور اگر تم چاہو تو صبر کرو۔

اس نے عرض کی! یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی سہارے والا نہیں ہے اور مجھے اندھے پن سے بہت پریشانی ہوتی ہے تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جاؤ وضو کر کے آؤ پھر دو رکعت نماز ادا کرو اور ان کلمات کے ساتھ دعا مانگو۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! کہ ابھی ہمیں کچھ ہی دیر گزری تھی اور ہم وہاں سے اٹھے بھی نہ تھے کہ وہ شخص آیا اور گویا اسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

(معجم کبیر للطبرانی، ۹/۱۸، معجم صغیر للطبرانی، ۱/۱۸۳، دلائل النبوۃ للبیہقی، ۶/۱۶۶)

﴿19﴾ امام طبرانی علیہ الرحمہ ''معجم کبیر و اوسط'' میں حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:



جب حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا جو کہ حضرت سیدنا علیؓ کی والدہ تھیں تو حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور ان کے سرہانے بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا: اے میری والدہ کے بعد میری ماں! اللہ تعالیٰ ﷻ تم پر رحم فرمائے پھر آپ نے ان کی مزید تعریف بیان فرمائی اور اپنی چادر ان کے کفن کے لیے عطا فرمائی۔

پھر آپ ﷺ نے حضرت سیدنا اسامہ بن زیدؓ، سیدنا ابو ایوب انصاریؓ، سیدنا عمر بن خطابؓ اور ایک سیاہ فام غلام کو بلایا کہ وہ قبر کھودیں تو انہوں نے قبر کھودی، جب یہ لوگ لحد کی جگہ تک پہنچے تو حضور ﷺ نے بذاتِ خود اپنے مبارک ہاتھوں سے قبر کھودنا شروع فرمائی اور اپنے ہاتھوں سے مٹی باہر نکالی، جب اس سے فارغ ہوئے تو قبر میں داخل ہو کر لیٹ گئے اور ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ اِغْفِرْ لِأُمِّیْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَسَدٍ وَلَقِّنْهَا حُجَّتَهَا وَوَسِّعْ عَلَیْهَا مَدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِیِّكَ وَالْأَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ فَاِنَّكَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ﷻ ہی زندگی اور موت دیتا ہے اور وہ خود زندہ ہے اسے موت نہیں، اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور اسے سوالات میں آسانی عطا فرما اور اس کی قبر کو کشادہ فرما اپنے نبی محمد ﷺ اور مجھ سے قبل انبیائے کرام کے وسیلے سے، پس بیشک تو ہی سب بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

پھر آپ ﷺ نے ان پر چار مرتبہ تکبیر پڑھی (یعنی نماز جنازہ ادا فرمائی) اور آپ ﷺ، حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہما وحضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے انہیں قبر میں اُتارا۔

(معجم کبیر للطبرانی، ۲۴/۳۵۲، معجم اوسط للطبرانی، ۱/۱۵۲)

اس روایت سے پتہ چلا کہ انبیائے کرام علیہم السلام سے توسل کرنا حضور نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہے تو اُمت محمدیہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ انہیں اس بات (یعنی اپنے نبی



کریم ﷺ اور دیگر صالحین کرام سے توسل کرنے) سے منع نہ کیا جائے۔

حضور نبی کریم ﷺ سے وصال کے بعد انہیں وسیلہ بنانے کا معنی یہ ہے کہ وہ اسی طرح دعا فرمائیں جیسا کہ اپنی دنیاوی حیات میں فرمایا کرتے تھے۔

﴿20﴾ امام بیہقی اور امام ابن ابی شیبہ حضرت مالک الدارؓ سے روایت کرتے ہیں:

لوگ حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ کے زمانہ خلافت میں قحط سالی کا شکار ہو گئے تو ایک شخص نے قبر رسول ﷺ پر حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! اپنی اُمت کیلئے بارش کی دعا فرمائیں وہ قحط سالی سے ہلاک ہوئی جاتی ہے؟ تو حضور نبی کریم ﷺ ان کے خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا:

عمر (ؓ) کے پاس جاؤ اور ان سے میرا سلام کہو اور انہیں خبر دے دو کہ تمہیں سیراب کیا جائے گا اور یہ بھی کہنا کہ اُمور سلطنت کے بارے میں مزید زیرکی و دانائی سے کام لیا کریں۔

پس اس شخص نے حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان حضرت عمرؓ کے پاس آ کر سنایا تو آپ رونے لگے پھر عرض کی اے میرے ربّ! میں اپنے طور پر کسی بھی طرح کی کوتاہی سے روا نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ میں اس کام سے عاجز آ جاؤں:

(دلائل النبوۃ للبیہقی، ۷/۴۷، تاریخ کبیر للبخاری، ۷/۳۰۴، مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۲/۳۱)

حضرت سیف (بن عمر الضبی) علیہ الرحمہ نے ''الفتوح'' میں روایت کیا ہے کہ وہ خواب دیکھنے والے صحابی رسول حضرت بلال بن حارث مزنیؓ تھے۔

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ سے عالم برزخ میں مدد طلب کرنا اور آپ ﷺ کا وہاں اپنے ربّ تعالیٰ سے دعا مانگنا ناممکن نہیں ہے نیز آپ ﷺ کو اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سے کس بارے میں سوال کیا جا رہا ہے۔

اور حضور نبی کریم ﷺ سے ایسے اُمور میں توسل کرنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ ﷻ کی طرف سے عطا کردہ منصب شفاعت کے سبب اس سوال کے پورا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔اسی لیے آپ ﷺ کی دعا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے،جیسا کہ حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ (حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا کہ)''میں جنت میں آپ ﷺ سے آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں''تو یہ اسی سبب سے تھا کہ آپ ﷺ ہی تو اس دعا کی قبولیت کا سبب اور شفاعت کرنے والے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ سے میدان قیامت میں توسل اور آپ کا اللہ تعالیٰ ﷻ کی بارگاہ میں شفاعت کرنا

اس بارے میں کثیر روایات صحیحہ کے سبب اجماع قائم ہو چکا ہے،امام حاکم حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

﴿21﴾ اللہ تعالیٰ ﷻ نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی، اے عیسیٰ!تم خود بھی محمد پر ایمان لاؤ اور جولوگ تمہارے پیرو ہیں انہیں بھی حکم دو کہ وہ ان پر ایمان لائیں پس اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم کو بھی پیدا نہ کرتا اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں جنت وجہنم کو بھی پیدا نہ کرتا، بیشک جب میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ مضطرب تھا تب میں نے اِس پر لکھا''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''تو اسے سکون ملا۔

(مستدرک للحاکم،۳/ ۵۱۶،رقم ۴۲۸۵)

پھر بھلا کیوں نہ ہم ان سے شفاعت طلب کریں اور توسل کریں جن کا اپنے پروردگار کے نزدیک ایسا عظیم مقام ہے(اور آپ ﷺ کا مقام تو بہت بلند و بالا ہے بلکہ آپ ﷺ کی اُمت کے)صالحین سے توسل کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ امام سبکی علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

امام قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے سند جید کے ساتھ''شفا شریف''میں حضرت سیدنا

امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ امیر المومنین ابوجعفر نے ایک مرتبہ مسجد نبوی میں حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے کسی مسئلے کے بارے میں گفتگو کی تو حضرت مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے امیر المومنین!اس مسجد میں اپنی آواز کو بلند نہ کریں، بیشک اللہ تعالیٰ ﷻ نے ایک قوم کو اس بارگاہ کا ادب یوں سکھایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ :

(سورۃ الحجرات ۴۹،آیت ۲)

ترجمہ:اے ایمان والو!تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو اور اُن کے ساتھ اِس طرح بلند آواز سے بات (بھی) نہ کیا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ کرتے ہو(ایسا نہ ہو) کہ تمہارے سارے اعمال ہی (ایمان سمیت) غارت ہو جائیں اور تمہیں (ایمان اور اعمال کے برباد ہو جانے کا) شعور تک بھی نہ ہو۔

اور ایک قوم کی یوں تعریف بیان فرمائی:

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ: (سورۃ الحجرات ۴۹،آیت ۳)

ترجمہ: بیشک جولوگ رسول اللہ کی بارگاہ میں (ادب و نیاز کے باعث) اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چن کر خالص کرلیا ہے۔ان ہی کے لئے بخشش ہے اور اجر عظیم ہے۔

جبکہ ایک قوم کی یوں مذمت بیان فرمائی:

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ :

ترجمہ: بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر (آپ کے بلند مقام ومرتبہ اور آدابِ تعظیم کی) سمجھ نہیں رکھتے۔ (سورۃ الحجرات ۴۹، آیت ۴)

بیشک وصال کے بعد بھی آپ ﷺ کا احترام اُسی طرح ہوگا جیسا کہ حالت حیات میں تھا تو ابو جعفر گھبرا گیا اور عرض کرنے لگا اے ابو عبداللہ! کیا میں قبلے کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں یا حضور نبی کریم ﷺ کی جانب رخ کر کے؟ تو آپ نے فرمایا:

تم اِن سے اپنے رخ کو کیوں پھیرتے ہو؟ حالانکہ یہ تو تمہارے اور تمہارے والد حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کا بھی قیامت تک کیلئے وسیلہ ہیں؟ بلکہ آپ انہیں کی جانب رُخ کریں اور ان سے شفاعت طلب کریں پس اللہ تعالیٰ جل جلالہ ان کی برکت سے شفاعت قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا: (سورۂ نساء ۴، آیت ۶۴)

ترجمہ: اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔

پس ذرا امام مالک رضی اللہ عنہ کے اس کلام پر غور کرو جو زیارت روضۂ رسول ﷺ، توسل اور دعا کے وقت ان کی طرف رُخ کرنے اور حُسنِ آداب جیسے کلام پر مشتمل ہے۔

امام ابن جوزی علیہ الرحمہ نے ''کتاب الوفا'' میں حضرت ابو بکر بن المقری علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے:

میں (امام ابو بکر مقری)، امام طبرانی (امام ابو القاسم سلیمان) اور امام ابو الشیخ (ابو محمد عبد اللہ المعروف ابو الشیخ اصفہانی) حرم رسول میں موجود تھے اور ہمیں شدید بھوک لگی ہوئی تھی، جب عشاء

کا وقت آیا تو ہم نے قبر رسول ﷺ پر حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ! بھوک لگ رہی ہے، پھر میں نے منہ پھیرا تو حضرت ابو القاسم نے فرمایا کہ اب بیٹھ جاؤ کہ اب یا تو کوئی رزق آئے گا یا پھر موت، حضرت ابو بکر فرماتے ہیں کہ پھر میں اور ابو الشیخ سو گئے جبکہ طبرانی انتظار کرتے رہے کہ اچانک دروازے پر ایک علوی (حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد میں سے) آیا اور دروازہ کھٹکھٹانے لگا تو ہم نے دروازہ کھولا۔

تو اس کے ساتھ دو غلام تھے اور ان کے پاس تھیلے میں کھانے کی بہت ساری چیزیں تھیں تو ہم بیٹھ کر کھانے لگے اور گمان کرنے لگے کہ باقی بچا ہوا کھانا غلام اپنے ساتھ واپس لے جائیں گے لیکن وہ لوگ سب کچھ ہمارے ہی پاس چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

جب ہم کھانا کھا چکے تو اس علوی شخص نے کہا، کیا تم نے حضور نبی کریم ﷺ سے اس بات کی شکایت کی تھی؟ بیشک میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے مجھے یہ سامان وغیرہ تمہارے پاس لانے کا حکم ارشاد فرمایا۔

امام (شیخ الشام ابو عبداللہ احمد بن یحییٰ) ابن الجلاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور حالت یہ تھی کہ میں کئی روز سے فاقہ کر رہا تھا پس میں قبر رسول ﷺ پر آیا اور عرض کی میں تو آپ ﷺ کا مہمان ہوں، یہ کہہ کر میں سو گیا پھر میں نے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے مجھے ایک روٹی عطا فرمائی پس میں نے خواب ہی میں آدھی روٹی کھالی پھر اچانک میں بیدار ہوا تو آدھی روٹی میرے ساتھ ہی میں تھی۔

امام ابو الخیر اقطع (تیناتی مغربی) علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

میں مدینہ منورہ میں فاقوں کی حالت میں حاضر ہوا حتی کہ پانچ دن مزید ایسے گزرے کہ میں نے کوئی چیز نہیں چکھی تو میں حضور نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہوا اور میں نے حضور ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر سلام پیش کیا اور عرض کی:

یارسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں؟ اتنا عرض کر کے میں مزار شریف کے قریب ہی سو گیا تو میں نے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی دریں حال کہ حضرت ابو بکرؓ آپ ﷺ کے دائیں طرف اور حضرت عمرؓ آپ ﷺ کے بائیں طرف تھے اور حضرت علی بن ابی طالبؓ آپ ﷺ کے سامنے تھے تو حضرت علیؓ نے مجھے اٹھایا اور فرمانے لگے اُٹھو! حضور نبی کریم ﷺ تشریف لائے ہیں تو میں فوراً کھڑا ہوا اور آگے بڑھ کر حضور ﷺ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا تو حضور ﷺ نے مجھے ایک روٹی عطا فرمائی اس میں سے میں نے آدھی کھالی پر جب میں بیدار ہوا تو باقی آدھی روٹی میرے ہاتھوں میں تھی۔

امام ابوعبداللہ محمد بن ابی زرعہ صوفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

میں نے اپنے والد کے ساتھ مکہ معظّمہ کا سفر کیا، ہمارے ساتھ عبدالرحمٰن خفیف بھی تھے، ہمیں شدید فاقہ لاحق ہوگیا، ہم رسول اللہ ﷺ کے شہر میں داخل ہوئے اور رات خالی پیٹ ہی گزاری اور میں ابھی بالغ نہیں ہوا تھا (برداشت نہ کرسکنے کی وجہ سے) میں بار بار اپنے والد کے پاس آتا اور کہتا کہ مجھے بھوک لگی ہوئی ہے، میرے والد روضہ اَقدس پر حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! میں آج رات آپ ﷺ کا مہمان ہوں اور مراقبہ میں سر جھکا کر بیٹھ گئے۔

کچھ دیر بعد انہوں نے سر اٹھایا تو کبھی وہ روتے اور کبھی ہنستے ان سے وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے بتایا کہ مجھے حضور سید عالم ﷺ نے اپنے دیدار سے نوازا اور مجھے کچھ درہم عنایت فرمائے ہیں، انہوں نے ہاتھ کھولا تو درہم موجود تھے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ان میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ ہم شیراز لوٹنے تک ان میں سے خرچ کرتے رہے۔

امام احمد بن محمد صوفی علیہ الرحمہ کہتے ہیں:

میں تین ماہ بادیہ پیمائی کرتا رہا، میرے جسم کی کھال پھٹ گئی اس کے بعد میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر سلام عرض کیا، حضرت ابوبکر

صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں سلام عرض کیا پھر سو گیا خواب میں مجھے حضور سید عالم ﷺ نے اپنے جمال جاں افروز سے سرفراز فرمایا اور ارشاد فرمایا: احمد! آ گئے ہو؟ عرض کی: جی ہاں اور حضور میں بھوکا ہوں اور آپ کا مہمان ہوں، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اپنے دونوں ہاتھ کھولو، میں نے دونوں ہاتھ گدایانہ انداز میں آپ ﷺ کے سامنے پھیلا دیئے تو آپ نے میرے دونوں ہاتھ درہموں سے بھر دیئے، میں بیدار ہوا تو دونوں ہاتھ درہموں سے بھرے ہوئے تھے، میں اٹھا اور اپنے لیے روٹی خریدی اور فالودہ خریدا اور کھا کر اسی وقت جنگل کا رُخ کیا۔

امام ابن عساکر علیہ الرحمہ نے اپنی تاریخ میں سند کے ساتھ حضرت ابوالقاسم ثابت بن احمد بغدادی علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے:

انہوں نے شہر مدینہ میں قبر رسول ﷺ کے قریب ایک شخص کو دیکھا جو اذان دے رہا تھا جب اس شخص نے کہا ''اَلصَّلوٰۃُ خَیْرٌ مِنَ النَّوْمِ'' تو مسجد نبوی کے ایک خادم نے آ کر اسے تھپڑ مارا وہ شخص رونے لگا اور عرض کی یارسول اللہ! آپ کے دربار میں میرے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے؟ (اتنا عرض کرنا تھا کہ) اُس خادم کو فوراً فالج ہوا تو اسے اٹھا کر گھر لے جایا گیا جہاں تین دن کے اندر اس کا انتقال ہوگیا۔

ماقبل جتنے واقعات مذکور ہوئے انہیں امام ابن جوزی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''الوفاء'' میں نقل کیا ہے نیز ان کے علاوہ امام محمد بن موسیٰ بن نعمان (مزالی مراکشی) نے اپنی کتاب ﴿**مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام علیه وعلى آله افضل الصلاة وأذكى السلام فی اليقظة والمنام**﴾ میں بھی ذکر کیا ہے (اس کتاب کا شاندار ترجمہ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ نے کیا ہے جو ''**پکارو یارسول اللہ**'' کے نام سے مکتبہ قادریہ لاہور سے شائع ہو چکا ہے)۔

امام ابن نعمان (صاحب کتاب ''مصباح الظلام'') نے ان افراد سے نقل کیا جن کے ساتھ یہ واقعہ ہوا یا کسی دوسرے شخص سے نقل کیا ہے:

میں نے ابواسحاق ابراہیم بن سعد علیہ الرحمہ کو فرماتے سنا کہ میں نبی اکرم ﷺ کے شہر میں تھا اور میرے ساتھ تین فقراء بھی تھے ہم سب فاقے کی لپیٹ میں آ گئے، میں نے نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے پاس کچھ نہیں ہے، ہمارے لیے کسی بھی چیز کے تین سیر کافی ہیں؟ کچھ دیر کے بعد مجھے ایک شخ ملا اس نے مجھے تین سیر عمدہ کھجوریں دے دیں۔

میں نے ابومحمد عبدالسلام بن عبدالرحمٰن حسینی الفاسی علیہ الرحمہ کو فرماتے ہوئے سنا:

میں تین دن تک مدینہ منورہ میں مقیم رہا اور کچھ بھی کھانے کو نہیں ملا تو بے قرار ہو کر منبر رسول ﷺ کے پاس آیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور عرض کی، اے جدّ امجد! مجھے بھوک لگی ہے اور کھانے کو ثرید چاہیے اتنا کہنے کے بعد مجھے نیند نے آلیا تو میں سو گیا ابھی میں نیند ہی میں تھا کہ کسی نے آ کر مجھے اٹھایا تو میں اٹھ گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کے ہاتھوں میں لکڑی کا پیالہ ہے جس میں ثرید، گوشت، گھی اور دیگر کھانے کا سامان ہے، اس شخص نے مجھ سے کہا کہ کھاؤ، میں نے کہا یہ کہاں سے لائے ہو؟ اس نے کہا میرے چھوٹے بچے تین دن سے ایسے کھانے کی آرزو کر رہے تھے سو آج میں نے کچھ کام کیا جس کے نتیجے میں یہ کھانا تیار ہوا پھر میں سو گیا تو خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے ارشاد فرمایا: تمہارے ایک بھائی نے ایسے کھانے کی آرزو کی ہے اسے بھی کھلاؤ۔

میں نے شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی الامان علیہ الرحمہ کو فرماتے ہوئے سنا:

میں مدینۃ النبی ﷺ میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے محراب کے پیچھے تھا اور سید مکثر قاسمی اسی محراب کے پیچھے سوئے ہوئے تھے کہ اچانک وہ بیدار ہوئے اور پھر بارگاہ رسالت

ﷺ میں حاضر ہوئے، سلام عرض کیا اور ہماری پاس تشریف لائے تو مسکرا رہے تھے، روضۂ مقدسہ کے خادم شمس الدین صواب نے اِن سے پوچھا کہ آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میں فاقے میں مبتلا تھا، میں گھر سے نکلا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے پاس آیا اور حضور نبی کریم ﷺ سے استغاثہ کرتے ہوئے عرض کی کہ میں بھوکا ہوں، پھر میں سو گیا تو نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ نے مجھے دودھ کا پیالہ عطا فرمایا، میں نے وہ پی لیا یہاں تک کہ میں سیر ہو گیا اور وہ یہ ہے، انہوں نے اپنے منہ سے دودھ نکال کر اپنے ہاتھ پر ڈالا جو ہم نے اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

میں نے عبداللہ بن حسن دمیاطی علیہ الرحمہ کو فرماتے ہوئے سنا:

مجھے شیخ عبدالقادر تنیسی نے ''دمیاط'' کی سرحد کے پاس بیان کیا کہ میں فقراء کے طریقے پر چل رہا تھا اور اسی حال میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا اور بھوک کی شکایت پیش کی، میں نے گندم کی روٹی، گوشت اور کھجور کی خواہش کا اظہار کیا، روضۂ مقدس کی زیارت کے بعد میں آگے بڑھ گیا، نماز پڑھی اور سو گیا۔

اچانک میں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص مجھے نیند سے بیدار کر رہا ہے، میں اٹھا اور اس کے ساتھ چل دیا، وہ صورت و سیرت کے اعتبار سے حسین و جمیل جوان تھا، اس نے مجھے ثرید (شوربے میں بھیگی ہوئی روٹی) کا پیالہ پیش کیا، اس میں بکری کا گوشت تھا، صیحانی (مدینہ منورہ کی کھجوروں کی ایک قسم) کی کئی تہیں تھی نیز بہت سی روٹیاں تھیں جن میں جو کی روٹیاں بھی شامل تھیں، میں نے سب کچھ کھایا تو اس شخص نے مجھے تھیلے میں گوشت، روٹی اور کھجور ڈال کر دیں، اس نے بتایا کہ میں چاشت کی نماز کے بعد سویا ہوا تھا، مجھے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی آپ نے مجھے یہ سب کچھ کرنے کا حکم دیا جو میں نے کیا ہے، آپ ﷺ نے ہی تمہاری طرف میری رہنمائی فرمائی اور روضہ مبارکہ میں تمہاری جگہ بھی بتائی اور تمہارے

بارے میں بتایا کہ تم نے ان چیزوں کی درخواست کی ہے۔

میں نے اپنے دوست علی بن ابراہیم بن سوار بوصیری کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے عبد السلام بن ابی القاسم صقلی کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ ایک معتبر آدمی نے ان سے بیان کیا جس کا نام وہ بھول گئے:

اس شخص نے بیان کیا کہ میں مدینۃ النبی ﷺ میں تھا اور میرے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی، میں کمزور ہوگیا تو میں حجرۂ مبارک پر حاضر ہوا (جس میں سرکار دو عالم ﷺ کی آرام گاہ ہے) اور عرض کی: اے اوّلین و آخرین کے سردار! میں مصر کا باشندہ ہوں، مجھے آپ کے پڑوس میں پانچ مہینے ہوگئے ہیں اور میں (فاقوں کے سبب) کمزور ہوگیا ہوں۔

میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں اللہ تعالیٰ ﷻ سے اور آپ ﷺ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کسی شخص کو میرے لیے مقرر فرمائیں کہ وہ مجھے پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے یا یہاں سے نکلنے کا انتظام کردے، پھر میں نے حجرۂ مقدسہ کے پاس چند دعائیں مانگیں اور منبر کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

اچانک ایک شخص حجرۂ مبارکہ کے پاس آیا اور کچھ دیر کھڑا ہوکر گفتگو کرتا رہا، وہ کہہ رہا تھا اے جد کریم! اے جد کریم! پھر وہ آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا اٹھو، میں اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا، وہ باب جبرائیل سے نکلا اور جنت البقیع کی طرف روانہ ہوگیا، اس سے بھی گزر کر آگے بڑھ گیا، وہاں ایک خیمہ لگا ہوا تھا، ایک لونڈی اور ایک غلام بھی موجود تھا، اس شخص نے ان دونوں کو حکم دیا کہ اٹھو اور اپنے مہمان کے لیے کھانا تیار کرو، غلام اٹھا اس نے لکڑیاں جمع کیں اور آگ جلائی لونڈی نے اٹھ کر آٹا گوندھا اور گندم کی روٹی پکائی۔

اتنی دیر تک اس شخص نے مجھے گفتگو میں مصروف رکھا، یہاں تک کہ لونڈی روٹی لے آئی اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا، لونڈی گھی کا برتن لے آئی، گھی روٹی پر ڈالا، صیحانی

کھجوریں بھی لے آئی، ان کو ملا کر عمدہ کھانا تیار کر دیا، اس شخص نے کہا کہ کھاؤ میں نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور ہاتھ روک لیا، اس نے کہا اور کھاؤ، میں نے تھوڑا سا کھایا اور ہاتھ روک لیا، اس نے کہا کہ اور کھاؤ پھر میں نے کچھ کھایا پھر اس نے کہا کہ کھاؤ، میں نے کہا: جناب میں نے کئی مہینوں سے گندم کی پکی ہوئی چیز نہیں کھائی لہٰذا اب مزید نہیں کھا سکتا۔

اس نے آدھا حصہ جو الگ تھا اور جو کچھ مجھ سے بچا تھا وہ سب ایک تھیلی میں ڈالا، دو صاع کھجوریں تھیلی میں ڈالیں اور مجھ سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے بتایا کہ میرا نام فلاں ہے۔

اس شخص نے مجھے کہا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ ﷻ کی قسم دیکر کہتا ہوں کہ آئندہ میرے جد امجد کی بارگاہ میں شکایت نہ کرنا کیونکہ آپ کو یہ بات گراں گزرتی ہے، اس وقت کے بعد جب بھی آپ کو بھوک لگے تو آپ کا رزق آپ کے پاس پہنچ جائے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ﷻ کسی شخص کو بھیج دے جو تمہارے یہاں سے روانہ ہونے کا ذریعہ بن جائے۔

اور غلام کو کہا کہ اس شخص کو میرا جد امجد ﷺ کے حجرۂ مبارکہ کے پاس چھوڑ آؤ، میں اس غلام کے ساتھ بقیع شریف کی طرف چل دیا، میں نے اسے کہا: تم واپس جاؤ اب میں پہنچ جاؤں گا، اس نے کہا جناب واللہ! میں آپ کو حجرۂ مبارکہ تک پہنچائے بغیر واپس نہیں جا سکتا ورنہ نبی اکرم ﷺ میرے آقا کو اس کی اطلاع دے دیں گے، وہ غلام مجھے حجرہ شریف تک پہنچا کر واپس چلا گیا۔

میں وہ کھانا جو اس شخص نے دیا تھا چار دن تک کھاتا رہا پھر مجھے بھوک محسوس ہوئی تو وہی غلام میرے لیے کھانا لے آیا، اسی طرح وقت گزرتا رہا، جب مجھے بھوک محسوس ہوتی وہ غلام کھانا دے جاتا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے ایک جماعت کو میرے لیے سبب بنا دیا، میں ان کے ساتھ "ینبع" کی طرف روانہ ہوگیا اور یہ سب کچھ سیدنا محمد ﷺ کی برکت سے تھا۔

امام ابن نعمان (صاحب کتاب ''مصباح الظلام'') اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوالعباس احمد بن نفیس مقری تیونسی علیہ الرحمہ سے نقل کرتے ہیں:

میں مدینہ منورہ میں تین دن تک بھوکا رہا پھر میں نے حضور نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر عرض کی یارسول اللہ! میں بھوکا ہوں؟ اس کے بعد میں نے ہلکی سی نیند لی تھی کی ایک لڑکی نے مجھے پاؤں سے اٹھایا اس کے اشارے پر میں اس کے ساتھ ہولیا اس کے گھر پہنچا تو اس نے مجھے گندم کی روٹی، کھجور اور گھی کھانے کو دیا۔

اور کہنے لگی اے ابوالعباس! کھاؤ مجھے میرے جدامجد ﷺ نے اس بات کا حکم دیا ہے اور آئندہ بھی تمہیں بھوک پریشان کرے تو ہمارے پاس چلے آنا۔

امام ابوسلیمان داؤد علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف ''الزیارۃ'' (یعنی ''البیان والانتصار فی زیارۃ النبی المختار'') میں ماقبل واقعات کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

ان تمام واقعات میں ایک بات واضح ہوتی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے سوال کرنے والوں کی حاجت برلانے کے لیے جنہیں حکم دیا تو وہ سب افراد سادات کرام ہی تھے خصوصاً جب کہ کسی کو کھانا کھلانے کا معاملہ تھا تو اس میں خاص سادات ہی کو حکم دیا گیا کیونکہ اخلاق اقدار کی بلندی کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ جب کوئی مفلس سوال کرے تو اولاً خود عطا کرے یا پھر اپنے قریبی اہل وعیال کے ذریعے دے تو آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ کے بھی یہی شایاں ہے کہ پہلے تو بذات خود کرم فرماتے ہیں یا پھر اپنی اولاد کے ذریعے نوازتے ہیں۔

امام سید سمہودی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اس بارے میں بہت سے واقعات موجود ہیں بلکہ کچھ تو ہمارے ساتھ بھی ہوئے ہیں پھر آپ نے اپنے واقعات میں سے بھی کچھ بیان کیے لیکن ہم یہاں اختصار کے پیش نظر انہیں چھوڑ دیتے ہیں۔

امام شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ شرح مشکوۃ المصابیح اور اپنی دیگر تصانیف میں لکھتے ہیں:

اہل قبور سے استمداد کا بعض فقہاء نے انکار کیا ہے، ان کا انکار اگر اس بنا پر ہے کہ اہل قبور کو زائرین اور ان کے احوال کا علم نہیں ہے اور وہ (اہل قبور) ان کی بات نہیں سنتے تو اس کا بطلان ثابت ہو چکا ہے اور اگر انکار اس بنا پر ہے کہ اہل قبور کو اس جگہ قدرت وتصرف حاصل نہیں ہے حتی کہ امداد کریں بلکہ وہ قید ہیں انہیں منع کیا گیا ہے، اور وہ لاحق ہونے والی مشقت اور سختی میں مصروف ہیں جس نے انہیں دوسرں سے روک رکھا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، خصوصاً متقین (کے حق میں) جو اللہ تعالی ﷻ کے دوست ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان کی روحوں کو برزخ میں قرب اور قدر ومنزلت حاصل ہو جائے اور ان کا وسیلہ پکڑنے والے زائرین کی حاجتوں کی طلب، دعا اور شفاعت کی قدرت مل جائے جیسا کہ قیامت کے دن ہوگا تو اس کی نفی پر کونسی دلیل ہے؟؟

علامہ قاضی بیضاوی نے '' وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا '' کی میں تفسیر بدن سے جدا ہوتے وقت نفوس فاضلہ کی صفات کے ساتھ کی ہے، کہ انہیں جسموں سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے اور وہ خوشی خوشی عالم ملکوت کی طرف چلے جاتے ہیں، وہاں سیر کرتے ہیں اور حضائر قدس کی طرف سبقت کرتے ہیں پس وہ شرافت اور قوت میں ''**مدبرات**'' میں سے ہوجاتے ہیں۔

کاش ہمیں علم ہوتا کہ یہ فرقہ جس استمداد وامداد کا انکار کرتا ہے اس سے کیا مراد ہے؟؟ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف محتاج وفقیر دعا کرنے والا، اللہ تعالی ﷻ سے دعا کرتا ہے اور بارگاہ رب العزت سے اپنی حاجت طلب کرتا ہے، اللہ تعالی ﷻ کی بارگاہ میں مقرب، معظم ہستی کی روحانیت کو وسیلہ بناتا ہے اور کہتا ہے اے مولیٰ! اس بندۂ کریم کی برکت سے جس پر تو نے رحمت اور سرفرازی فرمائی ہے اور تیرا خاص لطف وکرم اس کی طرف مبذول ہے، میری حاجت پوری فرمادے کہ تو کریم حاجت رواہے، یا اس

بندۂ مکرم کو نداء کرتا ہے کہ اے بندۂ خدا! اے اللہ تعالیٰ ﷻ کے ولی! میری سفارش کیجئے اور اللہ تعالیٰ ﷻ سے دعا کیجئے کہ میرا مقصد و مدعا پورا فرمائے اور میری حاجت بر لائے۔

پس عطا فرمانے والا اور جس سے سوال کی امید ہے وہ اللہ تعالیٰ ﷻ ہی ہے، یہ بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے، **"قادر" "فاعل" اور" وجود میں تصرف فرمانے والا "صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ﷻ ہے،** اولیاء اللہ اپنے ربّ کے فضل، اس کی قدرت اور اس کے غلبے کے سامنے فانی و عاجز ہیں، ان کے لئے (حقیقی) فعل قدرت اور تصرف نہ اب ثابت ہے اور نہ ہی اس وقت ثابت تھا جب وہ دنیا میں زندہ تھے (یعنی ذاتی تصرف، ورنہ عطائی کی شیخ اگلی عبارات میں خود وضاحت کر رہے ہیں) اِمداد و اِستمداد اس معنی کے لحاظ سے جو ہم نے ذکر کیا (یعنی اللہ تعالیٰ ﷻ کی عطا سے) اگر موجبِ شرک اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کا سبب ہے جیسا کہ منکر گمان کرتے ہیں تو چاہیے کہ صالحین اور اولیاء اللہ سے ان کی ظاہری حیات میں بھی توسل اور ان سے دعا کی درخواست ممنوع ہو حالانکہ یہ ممنوع نہیں بلکہ بالاتفاق مستحب و مستحسن اور دین میں شائع اور متعارف ہے۔

اگر منکرین (مسئلہ امداد و توسل) کہیں کہ یہ حضرات وفات کے بعد معزول ہو گئے ہیں اور اس حالت اور کرامت سے باہر جا چکے ہیں جو کہ انہیں دنیاوی زندگی میں حاصل تھی تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ اور اگر کہیں کہ وفات کے بعد لاحق ہونے والی آفات کے سبب انہیں روک دیا گیا ہے اور وہ ان آفات کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں تو جواب یہ ہے کہ یہ کلیہ نہیں ہے اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہے کہ یہ مشغولیت قیامت کے دن تک مسلسل جاری رہے گی، زیادہ سے زیادہ یہ کہ مخلوق کی طرف توجہ ہمیشہ نہ ہو اور اِستمداد کا فائدہ عام نہ ہو بلکہ ممکن ہے کہ بعض حضرات عالم قدس کی طرف منہمک ہوں اور اللہ تعالیٰ ﷻ کی صفات کی طرف انکی محویت کا یہ عالم ہو کہ نہ تو ان کی توجہ دنیا کی طرف ہو اور

نہ ہی انہیں احساس ہو اور وہ (اس محویت کے باعث) دنیا میں کوئی تصرف اور تدبیر بھی نہ کر سکتے ہو جیسا کہ اس جہان میں بھی مجذوبوں اور اصحاب ہوش کے حال کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔

لیکن مطلقاً اِستمداد و توسل کی نفی کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور نہ ہی کوئی دلیل اس انکار پر موجود ہے بلکہ اس انکار کے خلاف پر دلائل قویہ قائم ہیں۔

ہاں! اگر زائرین میں سے کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ اہل قبور مستقل طور پر متصرف اور قادر ہیں اور انہیں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ ﷻ کی طرف متوجہ ہونے اور اس سے درخواست کرنے کی حاجت نہیں ہے جیسے کچھ جاہل اور غافل عوام عقیدہ رکھتے ہیں اور ایسے کام کرتے پھرتے ہیں جو دین میں حرام اور ممنوع ہیں مثلاً قبر کو بوسہ دینا، اسے سجدہ کرنا اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا وغیرہ ایسے اُمور جن سے شریعت نے منع کیا اور ڈرایا ہے بلکہ بعض نے تو قبر کی طرف سجدہ کرنے کو کفر لکھا ہے تو یہ عقیدہ و افعال ممنوع و حرام ہوں گے اور عوام کا فعل لائق اعتبار نہیں ہے بلکہ وہ اس بحث ہی سے خارج ہے، حاشا وکلا کہ شریعت کا عالم اور احکام دین کی معرفت رکھنے والا کوئی شخص ایسا عقیدہ رکھے اور ایسے کام کرے۔

کاملین کی ارواح سے اہل کشف مشائخ کی استمداد اور استفادہ کی روایات بے شمار اُن کی کتابوں میں مذکور اور جہاں بھر میں مشہور و معروف ہیں لہٰذا ہمیں یہاں ان کے ذکر کی حاجت نہیں، نیز ہو سکتا ہے کہ متعصب و منکر کو (اپنے خبث باطن کی بنا پر) بزرگان دین کے کلمات فائدہ نہ دیں، ہم اللہ تعالیٰ ﷻ سے اس بارے میں عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

ہاں! زیارت قبور کا سنت طریقہ یہ ہے کہ اہل قبور کو سلام کیا جائے، ان کے لیے استغفار کیا جائے اور تلاوت قرآن (کر کے انہیں ایصال ثواب) کیا جائے لیکن ان کاموں سے استمداد کی نفی تو لازم نہیں آتی، پس زیارت دراصل اہل قبور کی امداد اور ان سے استمداد دونوں ہی طور پر ہوتی ہے اور اس معاملے میں زائرین اور جن کی زیارت کی جاتی ہے، دونوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ (اشعۃ اللمعات، باب حکم الاسراء، ج5/234-231)

میں (امام محمد عابد سندی) کہتا ہوں:

سنت سے بھی اِستمداد کا ثبوت موجود ہے، امام ابن عساکر علیہ الرحمہ اپنی تاریخ میں اور امام ابن جوزی علیہ الرحمہ "مثیر الغرام" میں اور امام ابن نجار ("الدرة الثمینة فی اخبار المدینة" میں) اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ محمد بن حرب ہلالی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں حضور نبی کریم ﷺ کے مزار مبارک پر حاضر ہوا زیارت کی اور ایک جانب ہو کر بیٹھ گیا اتنے میں ایک اَعرابی شخص آیا جبکہ حضرت ابوسعید سمعانی علیہ الرحمہ کی روایت جو حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں مذکور ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تدفین کے تین دن بعد ایک اَعرابی شخص آیا اور خود کو تربت اَقدس پر گرادیا اور قبرانور کی مٹی اٹھا کر اپنے سر پر ڈالنے لگا اور کہتا جارہا تھا کہ ہم نے آپ ﷺ کی زبانی اللہ کا یہ فرمان سنا ہے ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾: (سورۂ نساء ۴، آیت ۶۴) **ترجمہ:** اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔﴾ اور میں بھی اپنی جان پر ظلم کرکے آپ کے دربار میں حاضر ہوگیا ہوں کہ میری بخشش ہوجائے تو قبرانور سے آواز آئی:

اَنَّهُ قَدْ غُفِرَ لَكَ

(میرے دربار میں حاضر ہونے والے مایوس نہ ہو) تمہاری مغفرت کردی گئی ہے۔

تو یہ واقعہ صحابہ کرام کی موجودگی میں ہوا اور کسی ایک صحابی نے بھی اس اَعرابی کے کام وکلام پر اعتراض نہیں کیا تو گویا اس پر اُن کا اجماع ہوگیا اور ذہن نشین رہے کہ یہ تمام

باتیں انبیائے کرام کے علاوہ میں ہیں کہ بے شک انبیائے کرام کی حیات مبارکہ میں کسی ایک عالم نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

﴿22﴾ امام ابو داؤد علیہ الرحمہ کی حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث ﴿"مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ" کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام بھیجے لیکن اللہ تعالی میری روح کو واپس کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اُس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔[سنن ابی داؤد: کتاب المناسک: باب: زیارۃ القبور: ص:۳۵۳: رقم:۲۰۴۱: مسند احمد:۱۶/ ۴۷۷: رقم:۱۰۸۱۵: السنن الکبری للبیہقی:۵/۴۰۲: رقم:۱۰۲۷۰: شعب الایمان:۶/۵۲: رقم:۳۸۶۴: المعجم الاوسط:۳/۲۶۲: رقم:۳۰۹۲: مجمع البحرین للھیثمی:۸/۲۵: رقم:۴۶۴۸]﴾ سے جو اشکال پیدا ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں مخاطب کی عقل وفہم کے لحاظ سے کلام کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک سننے کیلئے روح کا لوٹایا جانا ضروری ہے گویا کہ یوں کلام فرمایا کہ میں سب کا سلام سنتا ہوں اور سب ہی کو جواب سے نوازتا ہوں تو (وصال ظاہری کے بعد) پہلے سلام کے وقت روح اقدس لوٹادی گئی اور پھر قبض نہیں کی گئی کیونکہ بار بار روح اَقدس کا لوٹایا جانا تو بے شمار مرتبہ وصال کو مستلزم ہے (جو کہ نصوص قرآنی اور عقلی دلائل کے بھی خلاف ہے) یا پھر لوٹائے جانے سے مراد معرفت ربانی کے اِستغراق سے افاقہ ہے پس اس طور پر یہ بارگاہ عظیمہ سے بشری اوصاف کی طرف التفاتِ روحانی ہوگا جیسا کہ "خلاصة الوفا" میں امام بیہقی علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے۔

امام ابن حجر مکی شافعی علیہ الرحمہ نے "الجوهر المنظم" میں لکھا ہے:

روح کے لوٹائے جانے پر تو اجماع قائم ہو چکا ہے لہٰذا اس میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں، اختلاف تو صرف گفتگو نہ کرنے کے بارے میں ہے کہ جیسا کہ علمائے کرام نے اس بارے میں وضاحت کردی ہے، پس بیشک حضور نبی کریم ﷺ دائمی طور پر حیات ہیں کیونکہ یہ

بات محال ہے کہ دنیا بھر میں صبح وشام میں کوئی ایک بھی حضور نبی کریم ﷺ پر سلام نہ بھیجے۔

اور یہ توجیہ بطور خاص سلام کرنے والے کے حاضر نہ ہونے کی شرط صورت میں ہے اگر چہ (آپ ﷺ کی تو یہ شان ہے کہ) سلام کرنے واالا کائنات کے کسی بھی گوشے سے سلام بھیجے تو آپ ﷺ اُسے جواب ارشاد فرماتے ہیں جیسا کہ حدیث کے ظاہر سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے لیکن دائمی حیات کے پائے جانے سے ہمیشہ گفتگو کا بھی پایا جانا لازمی نہیں (یہ امام ابن حجر مکی کا ذاتی استدلال ہے، امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر تفصیلی کلام اپنے رسالہ "انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء" میں لکھا ہے، اس کا ترجمہ شاندار دیدہ زیب طباعت اور راقم کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ جماعت محمودیہ قادریہ، سجاول، سندھ کی جانب سے شائع ہو چکا ہے، ابومحمد غفرلہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام اپنے سلام دلنشین سے جواب عنایت فرماتے ہیں گویا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ آپ کو سلام کا جواب دینے کے لیے نطق کی قوت عطا فرما دیتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہ السلام کی حیات مبارکہ پر کثیر دلائل موجود ہیں جن کی وسعت کے یہ اوراق متحمل نہیں، امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس بارے میں بہت سے رسائل تحریر فرمائے ہیں (انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء اور تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک وغیرہ)۔

اور اِن کی ذات والاصفات سے اِستمداد کرنا ہر زمانے میں معمول رہا ہے حتیٰ کہ خلافت راشدہ میں بھی اس کا معمول رہا جیسا کہ حضرت عتبی رضی اللہ عنہ کا واقع ان (صحابہ کرام) کے زمانے میں ہوا اور علم ہونے کے باوجود انہوں نے اس پر کوئی انکار نہیں فرمایا، اس لیے اب بھی کسی کو اس بارے میں شک وشبہ کرنے اور اس کے ناجائز ہونے کے بارے میں کلام کرنے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔

باقی رہا اولیاء اللہ اور صالحین کا معاملہ! تو کیا اِن سے اِستمداد کرنے کے بارے میں علماء ومحدثین سے کوئی دلیل منقول ہے؟

ہاں! امام ابن جوزی علیہ الرحمہ نے "صفۃ الصفوۃ" میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم حربی نے فرمایا:

حضرت سیدنا معروف کرخی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک قبولیت کے لیے اکسیر ہے۔

سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حضرت موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی قبر انور قبولیت دعا کے لیے تریاقِ مجرب ہے،

مشائخ عظام میں سے ایک (غالباً شیخ عقیل منجی مراد ہیں) نے فرمایا:

میں نے چار مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی قبور میں اسی طرح تصرف کرتے ہیں جس طرح اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے یا اس سے بھی بڑھ کر، اس میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ معروف کرخی اور دو بزرگ (شیخ عقیل اور شیخ حیات بن قیس حرانی ہیں، جیسا کہ زبدۃ الآثار میں مذکور ہے) اور شمار کئے جاتے ہیں (اور ان چاروں میں حصر مقصود نہیں جو کچھ ان بزرگ نے دیکھا اور پایا اس کا بیان کر دیا)۔

سیدنا امام غزالی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

جس سے زندگی میں توسل وتبرک کر سکتے ہیں اُس سے وصال کے بعد بھی توسل وتبرک حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

یہ کلام دلائل کے بھی موافق ہے کیونکہ وصال کے بعد بھی روح کا باقی رہنا احادیث کے دلائل اور اجماع امت سے ثابت ہے، زندگی میں اور مرجانے کے بعد تصرف کرنے والی دراصل روح ہوتی ہے بدن نہیں اور حقیقتاً تصرف کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ہے۔ نیز ولایت کہتے ہیں فنا فی اللہ سے بقا باللہ کے مرتبے کو اور اس اعتبار سے تو وصال کے بعد مزید ترقی وکاملیت حاصل ہوتی ہے۔

امام سیدی شیخ احمد زروق (فقہاء ومشائخ دیار مغرب کی سردار) نے فرمایا:

ایک دن مجھ سے میرے شیخ ابو العباس حضرمی نے دریافت کیا کہ کیا زندہ شخص کی مدد قوی ہوتی ہے یا وصال کیے ہوئے شخص کی؟ تو میں نے عرض کیا کہ لوگ زندوں کی امداد کو قوی کہتے ہیں جبکہ میں وصال کیے ہوئے لوگوں کی امداد کو قوی جانتا ہوں تو شیخ نے فرمایا: ہاں! کیونکہ وہ لوگ بارگاہ الٰہی میں موجودگی کے شرف سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

اہل تحقیق حضرات فرماتے ہیں:

زائر کی روح جس کی زیارت کی جارہی ہے اُس کی روح کے مقابل ہوتی ہے تو اس طرح سے اُس ولی اللہ کے فیضان و اَسرار اور اِکرام و اَلطاف کی شعاعیں اس کے زیارت کرنے والے پر پڑتی ہیں (تو زائر بھی اس فیضان خاص سے مستفید ہوجاتا ہے)۔

اور ہم اسی قدر جواب پر اکتفا کر رہے ہیں یہ وہ کلام تھا بفضل الٰہی مجھ پر واضح و منکشف ہوا اور اللہ تعالیٰ ﷻ بہتر جاننے والا ہے، اسے میں نے کہا اور اپنے قلم سے لکھا۔

﴿ محمد عابد بن شیخ مرحوم احمد علی بن محمد مراد بن یعقوب بن محمود السندی مولداً الانصاری الایوبی الخزرجی نسباً النقشبندی طریقةً غفر اللّٰه تعالی له وأسلافه ومشائخه ذنوبهم ورضی اللّٰه تعالی عن الجمیع رضاءً لا یسخط بعده : آمین ﴾

﴿ تمت ﴾

تقبیل الصحابة

ید رسول اللّٰه ﷺ ورجله ورأسه

الشریف وحکم التقبیل عامة

﴿ تالیف ﴾

شیخ الاسلام، الامام الکبیر

شیخ محمد عابد السندی الانصاری

رئیس علماء المدینة المنورة فی عصره المتوفیٰ ۱۲۵۷ھ

﴿ ترجمہ ﴾

خلیفہ مفسر اعظم پاکستان

علامہ مفتی اعجاز احمد قادری اویسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین

والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

و خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ ھداۃ الدین

﴿ سوال ﴾

حمد وصلوٰۃ کے بعد محمد عابد بن شیخ احمد علی انصاری خزرجی ایوبی نسباً سندی مولداً عرض کرتا ہے کہ مجھ سے بعض ایسے افراد نے بایں الفاظ سوال کیا جن کی مخالفت مجھ سے ممکن نہیں تھی کہ کیا احادیث مبارکہ میں اس بات کی کوئی وضاحت موجود ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی کریم ﷺ کے دست اَقدس اور پیشانی وقدمین شریفین یا دیگر اَعضائے کریمہ کے بوسے لیا کرتے تھے یا ایسا نہیں ہے؟

ہمیں اس بارے میں صریح نقول کے ذریعے وضاحت سے آگاہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ جل جلالہ آپ کو ہر بھلائی سے سرفراز فرمائے اور ہماری طرف سے آپ کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔

"وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم تسلیمًا"

﴿ جواب ﴾

جان لو! کہ سر، ہاتھ، پیشانی یا دیگر اَعضائے جسمانی کا بوسہ لینا یا تو بطور شہوت ہوتا ہے تو میاں بیوی کے علاوہ دیگر افراد کے لیے ایسے بوسے کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں یا پھر بطور شفقت ومحبت ہوتا ہے جیسا کہ باپ کا اپنے بچے کا بوسہ لینا اور ایسا بوسہ بالکل جائز ہے کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا کرتے تھے اور اسی

طرح حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے اپنی بیٹی حضرت سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کا بوسہ لیا جس وقت وہ بخار کی حالت میں تھیں، جیسا کہ سنن ابوداؤد کی روایت میں ذکر موجود ہے۔

اور بوسہ لینے کی یہ صورت اکثر اوقات شفقت و اظہار محبت کی وجہ سے ہوتی ہے اور اسی صورت میں حضور نبی کریم ﷺ کا حضرت سیدنا جعفر بن ابی طالب ؓ کا بوسہ لینا بھی شامل ہے، جیسا کہ امام ابو داؤد نے (اپنی سنن میں) اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایات کیا ہے۔

یا پھر بوسہ لینا بطور تعظیم ہوتا ہے تو ایسا بوسہ عالم دین، عادل بادشاہ یا دینی عزت و شرف کے حامل افراد مثلاً علوی وغیرہ کے لیے تو جائز ہے کہ اس میں دراصل حضور نبی کریم ﷺ کی نسبت ملحوظ ہوتی ہے لیکن اِن کے علاوہ دیگر افراد کے لیے ایسے بوسے کے جواز میں کوئی دلیل موجود نہیں اور نہ ہی ہمیں اس بارے میں کوئی دلیل ملی ہے کہ جسے ہم ذکر کرتے۔

اور مذکورہ افراد (عالم دین، عادل بادشاہ وغیرہ) کے ہاتھوں کو چومنے کے بارے میں کسی نے بھی انکار نہیں کیا ہے کیونکہ کثیر قوی دلائل اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ نے حضور نبی کریم ﷺ کے دست اقدس اور قدمین شریفین کے بوسے لیے تھے۔

صحابہ کرام کا حضور نبی کریم ﷺ کے دست اَقدس اور قدمین شریفین کے بوسے لینا

﴿1﴾ امام ابوداؤد (اپنی سنن میں) اور امام بخاری ''الادب المفرد'' میں حضرت سیدنا زارع ؓ سے روایت کرتے ہیں اور یہ عبدالقیس قبیلہ کے وفد کے ہمراہ تھے:

قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ
رَوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرِجْلَيْهِ:

ترجمہ: جب ہم مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو ہم اپنی سواریوں سے اُترے اور حضور نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں اور قدمین شریفین کا بوسہ لیا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، رقم ۵۲۲۵، الادب المفرد للبخاری، باب تقبیل الرجل، رقم ۱۰۰۴)

﴿2﴾ امام ابوداؤد (اپنی سنن میں) حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک واقعہ نقل کرنے کے بعد اُن کا فرمان لکھتے ہیں کہ ہم حضور نبی کریم ﷺ کے قریب ہوئے اور آپ ﷺ کے ہاتھوں کو چوم لیا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی قبلۃ الید، رقم ۵۲۲۳، سنن کبریٰ للبیہقی، ۷/۱۰۱)

﴿3﴾ امام ابوداؤد (اپنی سنن میں) حضرت سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس جب بھی حضور نبی کریم ﷺ تشریف لے جاتے تو آپ رضی اللہ عنہا کھڑی ہوتیں اور دست اَقدس کو بوسہ دیتیں۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی القیام، رقم ۵۲۱۶، سنن ترمذی، باب فضل فاطمہ، رقم ۳۸۲۸)

﴿4﴾ امام ابوداؤد (اپنی سنن میں) حضرت سیدنا اُسید بن حضیر ؓ سے اور وہ ایک انصاری شخص سے روایت کرتے ہیں:

ہم لوگ بیٹھے ہوئے آپس میں مذاق کر رہے تھے کہ اچانک ہم میں سے ایک شخص بلند آواز سے مسکرانے لگا تو حضور نبی کریم ﷺ نے اسے چھڑی کی نوک سے دبایا تو اس نے عرض کی مجھے اس کا بدلہ چاہیے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، لے لو: اُس نے عرض کی آپ ﷺ پر تو قمیص ہے لیکن مجھ پر تو قمیص نہیں تھی تو حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی قمیص مبارک اوپر اٹھا دی تو اس نے فوراً منہ ڈال کر مہر والی جگہ کا بوسہ لے لیا اور عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول! میرا اسے بوسہ لینے کا ہی ارادہ تھا۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی قبلۃ الجسد، رقم ۵۲۲۴)

﴿5﴾ امام طبرانی علیہ الرحمہ حضرت سیدنا کعب بن مالک ؓ سے روایت کرتے ہیں

کہ جب حضور نبی کریم ﷺ اِن کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے دست اقدس کو پکڑ کر چوم لیا۔ (معجم کبیر للطبرانی، ۱۹/ ۹۵، مجمع الزوائد للہیثمی، ۸/ ۸۴، رقم ۱۲۷۹۷)

﴿6﴾ امام طبرانی ''معجم اوسط'' میں سند جید کے ساتھ حضرت سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

میں نے اپنے ان ہاتھوں سے حضور نبی کریم ﷺ کی بیعت کی تھی اور اُن کا بوسہ لیا تھا اور مجھ پر کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا۔

(معجم اوسط للطبرانی، رقم ۶۶۱، معجم کبیر للطبرانی، رقم ۱۰۴۸۳، مجمع الزوائد للہیثمی، ۸/ ۸۵، رقم ۱۲۷۹۹)

﴿7﴾ امام حاکم علیہ الرحمہ ''مستدرک'' میں حضرت سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے دست اقدس اور قدمین شریفین کا بوسہ لیا۔ (مستدرک للحاکم، کتاب البر والصلۃ، ۵/ ۲۴۰، رقم ۷۴۰۵)

﴿8﴾ امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ علیہم الرحمہ سیدنا صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہودی قوم کے کچھ افراد نے حضور نبی کریم ﷺ کے دست اقدس اور قدمین شریفین کا بوسہ لیا۔'' قَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ ''

(سنن ترمذی، کتاب الاستیذان، رقم ۲۷۳۳، سنن نسائی، باب السحر، رقم ۴۰۸۳، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، رقم ۳۷۰۵، مصنّف ابن ابی شیبہ، کتاب الادب، ص ۱۲۶، شرح السنہ للبغوی، ۱۱/ ۲۹۲)

لہٰذا جب بعض حالات و واقعات میں صحابہ کرام کا حضور نبی کریم ﷺ کے دست اقدس اور قدمین شریفین کو چومنا ثابت ہوگیا تو عالم دین، عادل بادشاہ اور معظم دینی افراد کے ہاتھ، پاؤں کے بوسہ لینے کے جواز پر بھی دلیل قوی ہوگئی اگرچہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات مبارک میں تو ایسے فضائل شریفہ ومناقب حمیدہ اور علم لدنی، عمومی سیادت اور شرافت نسبی کے وہ بزرگانہ کمالات واَوصافات ہیں کہ کسی ایک کو بھی اُن اَوصاف کا حامل نہیں قرار دیا جاسکتا (کہ یہ تو صرف حضور علیہ السلام ہے ہی کے شایاں ہیں) البتہ آپ ﷺ کے مذکورہ بالا تین

اَوصافات میں سے جسے بھی حصہ ملا تو اس کے ہاتھ چومنے کے جواز پر اس کی روشنی میں دلیل موجود ہے اور آیات درج ذیل کا عموم بھی اسی طرف اشارہ کررہا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ :(سورۂ احزاب ۳۳، آیت ۲۱)

ترجمہ: فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے۔

وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا :(سورۂ نور ۲۴، آیت ۵۴)

ترجمہ: اور اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاجاؤ گے۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا : (سورۂ حشر ۵۹، آیت ۷)

ترجمہ: اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو۔

نیز حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان بھی اسی جانب مشیر ہے:

اِنَّ أَخْشَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ أَنَا

ترجمہ: بیشک تم لوگوں میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کی معرفت والا میں ہوں۔ (صحیح بخاری، رقم ۲۰، کشف الخفاء، رقم ۲۰۷، اسنی المطالب، رقم ۱۶۵)

اسی لیے (ہاتھ پاؤں) چومنے کے جواز کو صرف حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہی خاص نہیں کیا جائے گا۔

﴿9﴾ امام ترمذی سند حسن کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص جب اپنے کسی بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لیے (تعظیماً) جھک کر ملے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، تو انہوں نے عرض کی پس کیا وہ اسے اپنے ساتھ چمٹا کر بوسہ لے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں، تو انہوں نے عرض کی، کیا وہ اس سے ہاتھ ملائے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ہاں (ایسا کرے)۔ (سنن ترمذی، کتاب الاستیذان، باب ماجاء فی المصافحہ، رقم ۲۷۲۸، مسند احمد، ۳/۱۹۸)

ہم اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں:

کہ یہ عالم دین اور دیگر معظم ودینی شرف کے حامل افراد ''جن کے ہاتھوں کا بوسہ لینا جائز ہے'' کے علاوہ پر محمول ہوگی۔ اور اس بارے میں ہم کہتے ہیں:

﴿10﴾ حضور نبی کریم ﷺ کا حضرت زید بن حارث ؓ کا بوسہ لینا ثابت ہے جبکہ وہ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے انہیں گلے لگایا (اور پیشانی پر بوسہ لیا) جیسا کہ امام ترمذی علیہ الرحمہ نے روایت کیا ہے۔

(سنن ترمذی، کتاب الاستیذان، باب ماجاء فی المعانقہ والقبلہ، رقم ۲۷۳۲، شرح معانی الآثار للطحاوی، ۴/۲۸۱)

﴿11﴾ اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت علی ؓ کی موجودگی میں حضرت سیدنا ابوبکر ؓ کو سینے سے لگایا اور اُن کے چہرے کا بوسہ لیا تو حضرت سیدنا علی ؓ نے عرض کی کیا آپ ﷺ حضرت ابوبکر ؓ کے چہرے کا بوسہ لیتے ہیں؟ تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اے ابوالحسن! ابوبکر میرے نزدیک اُتنا ہی مقرب ہے جتنا کہ میں اپنے ربّ کی بارگاہ میں مقرب ہوں۔

تو یہ مذکورہ بالا تمام تر روایات (بوسے کو صرف حضور علیہ السلام ہی سے خاص) کرنے کے برخلاف ہیں اور انکار کرنے والے (جو حضور علیہ السلام کے علاوہ دیگر افراد دینی کے ہاتھ پاؤں کے بوسہ لینے کا انکار کرتے ہیں) وہ حضرت سیدنا انس بن مالک ؓ کی روایت کردہ حدیث کے ذریعے عدم جواز کا قول پیش کرتے ہیں اور اسی مقصد کے پیش نظر سائل کا سوال بھی ہے حالانکہ گلے ملنے کے جواز کے تو وہ بھی قائل ہیں اور دیکھا جائے تو اس میں بھی وہی معاملہ ہے جس کی بنا پر سائل نے سوال کیا تھا پس اگر صرف اس بنا پر بوسے کو حرام کہا جائے تو پھر گلے ملنا بھی حرام ہونا چاہیے لیکن اگر گلے ملنا حرام نہیں ہے تو بوسہ بھی حرام نہیں ہوگا۔

تو پتہ چلا کہ حدیث مذکورہ کا مفہوم جھکنے کے علاوہ میں معمول بہ نہیں ہے اور ہاتھ ملانے کا جواز تو واضح ہی ہے اس پر کوئی کلام ہی نہیں۔

اور جس مفہوم کو ہم نے بیان کیا ہے اس کی تائید خود حدیث انس ؓ سے بھی ہو رہی ہے کہ جب کسی شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے اپنے بھائی یا دوست سے ملاقات کے وقت (گلے لگانے وغیرہ کے بارے میں) سوال کیا تو اس نے یہ نہیں پوچھا کہ بندہ جب کسی فضل وشرف والے شخص سے ملاقات کرے (تو کیا اُن سے بھی گلے مل سکتا ہے یا بوسہ لے سکتا ہے وغیرہ) اور جواب دراصل سوال کا محتاج ہوتا ہے (یعنی جیسا سوال ہوگا ویسا ہی جواب دیا جائے گا اور اپنی طرف سے احتمالات اور شقیں قائم کر کے جواب دینا ویسے بھی مناسب نہیں ہوتا)۔

اور یہ تمام باتیں بھی ہم نے صرف باہمی تعارض کو دُور کرنے کی غرض سے بیان کی ہیں حالانکہ اُسلوب کلام اس کے بغیر بھی ہمارے موقف پر واضح ہے جیسا کہ علم وآگہی رکھنے والے افراد پر یہ بات پوشیدہ نہیں۔

پس اگر کہا جائے کہ آپ نے عدم خصوصیت کا استدلال اس بات سے کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کا بوسہ لیا اور بلاشبہ یہ بات تو حدیث مرفوع سے ثابت ہے اور ہم نے تو اس بارے میں سوال ہی نہیں کیا کیونکہ ہم تو کہتے ہیں جیسے صحابہ کرام کا حضور علیہ السلام کے ہاتھ، پاؤں کا بوسہ لینا خاص ہے اُسی طرح حضور ﷺ کا صحابہ کرام کے چہروں کو چومنا اور انہیں گلے لگانا بھی آپ ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہے۔

تو بھلا آپ نے دیگر اہل علم وشرف حضرات کیلئے اس سے بوسہ لینے کا جواز کہاں سے اخذ کرلیا؟ حالانکہ یہ بات تو ایسی احادیث کے ذریعے ہی متحقق ومعلوم ہوگی جس میں موجود ہو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بغیر انکار کے باہم ایسا کیا کرتے تھے اور اگر ایسی احادیث نہ ہوں تو خصوصیت کا معاملہ برقرار رہے گا؟؟۔

﴿جواب﴾ ہم کہتے ہیں کہ خصائص میں احتمال کا معاملہ بھی ثابت ہوتا ہے اس لیے اگر یہ بات نہ ہوتو ہر وہ کام جسے شارع علیہ السلام نے خود ادا فرمایا وہ خصوصیت کا حامل قرار پائے گا جب تک کہ اس کا مشروع ہونا (بندوں کیلئے) ثابت نہ ہوجائے اور یہ بات تو قرآن مجید اور محققین علمائے نقل وعقل کے بھی خلاف ہے۔

اور جولوگ ایسے چومنے کو منع کرتے ہیں تو ان کے نزدیک اس کی وجہ غیر اللہ کی تعظیم کا پایا جانا ہے اور غیر اللہ کی تعظیم حرام ہے لیکن اگر بات ایسی ہی ہوتی تو حضور نبی کریم ﷺ اس سے لازم بچتے جیسا کہ ماقبل حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان گزرا:

اِنَّ أَخشَاکُم وَأَعلَمَکُم بِاللّٰہِ أَنَا

ترجمہ: بیشک تم لوگوں میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کی معرفت والا میں ہوں۔ (صحیح بخاری، رقم ۲۰، کشف الخفاء، رقم ۲۰۷، اسنی المطالب، رقم ۱۶۵)

کیونکہ کثرت کے ساتھ ناپسندیدہ اُمور سے آپ ﷺ کا بیزار ہونا ثابت ہے جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

لَا تَطرُونِی کَمَا أُطرِیَ عِیسَی بنُ مَریَمَ:

ترجمہ: (میری شان میں مبالغہ آرائی سے کام نہ لینا اور) مجھے یوں نہ بڑھا دینا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مبالغہ کیا گیا (اور انہیں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا بیٹا قرار دیا گیا، معاذ اللہ):

(صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، رقم ۳۴۴۵، مسند احمد، ۱/۵۵، شرح السنہ للبغوی، ۱۳/۲۴۶)

نیز اسی کی مثل یہ فرمان بھی ہے:

اِن کِدتُّم لَتَفعَلُونَ فِعلَ فَارِسِ وَالرُّومِ یَقُومُونَ عَلَی مُلُوکِھِم:

ترجمہ: کیا تم لوگ بھی اہل فارس وروم کی طرح کرنا چاہتے ہو کہ وہ لوگ اپنے بادشاہوں کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔

اور یہ اس وقت ارشاد فرمایا جب حضور نبی کریم ﷺ بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے تھے تو صحابہ کرام نے تعظیم رسالت کے پیش نظر کھڑے ہوکر نماز ادا کی اور انہیں امام کے بیٹھے ہوئے ہونے کی صورت میں اُس کے پیچھے نماز ادا کرنے (کی کیفیت) کے بارے میں علم نہ تھا حتی کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَاِن صَلَّی جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجمَعُونَ: (صحیح بخاری، کتاب الصلوۃ، رقم ۶۸۸)

ترجمہ: اگر (امام) بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی (اس کے پیچھے) بیٹھ کر نماز ادا کرو۔

(بخاری شریف میں اسی مقام پر لکھا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان کسی پہلی بیماری کی صورت میں تھا لیکن آخری مرض وصال میں آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی اور صحابہ کرام آپ کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز ادا فرماتے رہے اور آپ ﷺ نے اس پر کوئی کلام نہیں فرمایا، لہٰذا اسی آخری فعل کو احکام میں اختیار کیا جائے گا۔ ابو محمد غفرلہ)

پس حضور ﷺ کی یہ حالت مبارکہ تھی کہ صحابہ عوام کے ایسے تعظیمی عمل کو بھی ناپسند فرمایا تو بھلا اُس عمل سے کیوں کر ناگواری ظاہر نہیں فرمائی جسے آپ جانتے تھے کہ وہ صحابہ کرام کیلئے حرج ومشقت کا باعث ہوگا حالانکہ آپ ﷺ تو اپنی وسعت علمی کے کمال کی بنا پر یہ بھی جانتے تھے کہ صحابہ کرام آپ ﷺ کی سخت سے پیروی کرنے والے اور آپ ﷺ کے طریقے پر ہی انحصار کرنے والے ہوں گے۔

اور حضور نبی کریم ﷺ سے ایسے معاملات کا صدور تو کئی مرتبہ ظاہر ہوا تو اللہ تعالیٰ کی پناہ! کہ آپ ﷺ ایسا کام کریں جس میں آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے لیے گناہ ہو اور پھر انہیں اس فعل کے اپنے ساتھ ہی خاص نہ ہونے پر تنبیہ بھی نہ فرمائیں۔ (کیونکہ حضور علیہ السلام نے اگر کبھی کوئی خصوصیت والا کام کیا یا اس کا حکم دیا تو ساتھ ہی اس کی تخصیص بھی واضح فرمادی مثلاً ایک شخص کو چھ ماہ کا بکری کا بچہ قربانی میں ذبح کرنے کی اجازت دی لیکن ساتھ ہی فرمادیا کہ تیرے علاوہ کسی کے لیے حلال نہیں، اسی طرح حضرت خزیمہ کی تنہا گواہی کو دو کے برابر قرار دیا اور فرمایا تیرے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں وغیرہ)

حاصل کلام یہ کہ قرآنی آیات اور احادیث نبویہ بغیر کسی چون و چراں اور بحث و تفتیش کے صراحۃً اِن کی پیروی کرنے پر دلالت کر رہی ہیں جیسا کہ ذرا سی بھی سمجھ بوجھ رکھنے والے پر پوشیدہ نہیں اور صریح دلائل اس بات پر بھی موجود ہیں کہ صحابہ کرام باہم (بطور شفقت ومحبت) ایک دوسرے کا بوسہ لیا کرتے تھے اور ان میں سے کوئی ایک بھی اس بارے میں دوسرے پر انکار نہیں کرتا تھا۔

صحابہ کرام اور دیگر بزرگان دین سے بوسے کے جواز کا ثبوت

﴿12﴾ امام طبرانی علیہ الرحمہ حضرت یحییٰ بن حارث ذماری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی تو عرض کیا:

بَایَعْتَ یَدَکَ ھٰذِہٖ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم ؟ فَقَالَ نَعَمْ

فَقُلْتُ أَعْطِنِیْ یَدَکَ أُقَبِّلُھَا فَأَعْطَانِیھَا وَقَبَّلْتُھَا:

کیا آپ نے ان ہاتھوں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا، جی ہاں! میں نے عرض کی، مجھے اپنے ہاتھ دیجیے، تو انہوں نے مجھے اپنے پکڑائے، تو میں نے انہیں بوسہ دیا۔ (معجم کبیر للطبرانی، ۲۲/۹۴، رقم ۲۲۶، مجمع الزوائد للہیثمی، ۸/۸۴، رقم ۱۲۷۹۷)

امام ہیثمی علیہ الرحمہ نے فرمایا، اِس روایت کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

امام محبّ طبری نے اپنی کتاب ''الریاض النضرۃ'' میں ''الصفوۃ'' سے نقل کیا ہے کہ صاحب صفوۃ نے ''فضائل ابی بکر'' میں حضرت سیدنا ابو رجاء عطاردی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

میں مدینے میں آیا تو لوگوں کو دیکھا کہ ایک جگہ جمع ہیں اور ایک شخص کو دیکھا جو دوسرے کے بوسے لے رہا ہے اور کہتا جا رہا ہے میں تجھ پر فدا! اگر تم نہ ہوتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔

میں نے لوگوں سے پوچھا یہ بوسے لینے والا کون ہے اور جس کو چوم رہا ہے وہ کون ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا، یہ بوسے لینے والے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سر کے بوسے لے رہے ہیں۔

انہوں نے مانعین زکوٰۃ والے مرتد قبائل سے جہاد کیا جس کی وجہ سے وہ لوگ اِن کے پاس جھکتے ہوئے حاضر ہوئے (تو اسی خوشی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اِن کا بوسہ لے رہے ہیں)

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، ۱/۱۴۸)

حافظ ابن حجر عقلانی نے اپنی کتاب ''الاصابہ'' میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ترجمہ میں امام شعبی علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے:

حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سوار ہوئے تو حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اِن کی سواری کی لگام تھام لی تو انہوں نے فرمایا: اے رسول اللہ کے چچا کے بیٹے! ایسا مت کیجئے، تو انہوں نے فرمایا:

ھٰکَذَا أُمِرْنَا أَنْ نَفْعَلَ بِعُلَمَائِنَا

ہمیں یہی حکم ملا ہے کہ اپنے علمائے کرام کے ساتھ ایسا سلوک کریں (اور ان کے ساتھ ایسی تعظیم سے پیش آئیں) تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اُن کے ہاتھوں کو چوم لیا اور فرمایا:

ھٰکَذَا أَنْ نَفْعَلَ بِأَھْلِ بَیْتِ نَبِیِّنَا

ہمیں بھی ایسا ہی حکم ملا ہے کہ اہل بیت نبوت رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایسا سلوک کریں۔

(الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ للعسقلانی، ۲/۴۹۱، مستدرک للحاکم، ۴/۵۲۴، رقم ۵۸۴۰)

امام بیہقی علیہ الرحمہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے روم کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا اور اس میں حضرت عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی تھے پس وہ گرفتار ہو گئے تو روم کے بادشاہ نے کہا کہ نصرانی مذہب اختیار کر لو تو میں تمہیں اپنے ملک میں جاگیر دے دوں گا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے اس بات سے انکار

فرمایا تو اس نے کہا کہ انہیں لٹکا دیا جائے۔

تو آپ کو لٹکا دیا گیا پھر اس نے کہا ان پر تیر برسائے جائیں لیکن انہیں کوئی نقصان نہیں ہوا تو انہیں اتارا گیا پھر اس نے کہا کہ بڑا برتن لاؤ اور اس میں پانی ڈال کر خوب گرم کرو پس اس میں قیدیوں کو ڈالا گیا جس سے ہڈیاں ابلنے لگیں تو ان سے کہا گیا کہ اگر تم نے نصرانی مذہب اختیار نہیں کیا تو تمہیں بھی اس میں ڈال دیا جائے گا پس جب انہیں ڈالنے کے لیے لے جایا جا رہا تھا تو یہ رونے لگے، بادشاہ نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟

آپ ؓ نے فرمایا: میں تمنا کر رہا ہوں کہ کاش میری سو جانیں ہوتیں اور وہ بھی یکے بعد دیگر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی راہ میں اسی طرح قربان ہوتیں۔

تو یہ سن کر بادشاہ نے کہا میرے سر پر بوسہ دو میں تمہیں جانے دوں گا آپ نے فرمایا کیا سارے مسلمانوں کو بھی آزاد کر دیا جائے گا اس نے کہا ہاں، تو آپ ؓ نے اس کے سر کو چوما تو اس نے سب کو آزاد کر دیا، جب یہ لشکر حضرت عمر ؓ کے پاس پہنچا تو حضرت عمر ؓ کھڑے ہوئے اور اُن کے سر کا بوسہ لیا۔

امام ابن عساکر نے اس واقعہ کو حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موصولاً بھی روایت کیا ہے اور ''فوائد'' میں اسے ہشام بن عثمان نے امام زہری علیہ الرحمہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

(سیر اعلام النبلاء للذہبی، ۳/ ۳۵۸، تاریخ دمشق الکبیر، ۱۲/ ۱۰۶، اسد الغابہ لابن اثیر، ۳/ ۲۱۴)

پس یہ احادیث نہایت واضح ہیں کہ صحابہ کرام ایسے بوسے کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ اس سے راحت محسوس کرتے تھے اور حضرت سیدنا زید بن ثابت ؓ کے اس قول پر بھی کسی نے انکار نہیں کہا کہ ہمیں بھی یہی حکم ملا ہے کہ اہل بیت نبوت رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایسا ہی کریں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ کسی ذی شرف شخصیت کے ہاتھوں کا بوسہ لینا حضور نبی کریم ﷺ کی جانب سے جائز کردہ ہے کیونکہ صحابی رسول کا کہنا ''ہمیں حکم دیا گیا ہے'' دراصل مرفوع ہونے کے حکم میں ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی کا بھی قول اس درجے کا نہیں ہو سکتا جیسا کہ امام ابن الصلاح نے **''مقدمۃ فی علوم الحدیث''** میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے **''شرح نخبۃ الفکر''** میں اس بات کی تحقیق لکھی ہے۔

اور جو فعل حضور نبی کریم ﷺ کی جانب سے حکم کردہ ہو اگر اسے نہ کیا جائے تو گناہ گار ہونا لازم آئے گا اسی لیے جو شخص کسی معظم دینی شخص کے ہاتھوں کو نہیں چومتا تو دراصل وہ گناہ گار اور حکم نبی ﷺ کی خلاف ورزی کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ارشاد فرمایا:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ:

ترجمہ: پس وہ لوگ ڈریں جو رسول کے امرِ (ادب) کی خلاف ورزی کر رہے ہیں کہ (دنیا میں ہی) انہیں کوئی آفت آ پہنچے گی یا (آخرت میں) ان پر دردناک عذاب آن پڑے گا۔

(سورۂ نور ۲۴، آیت ۶۳)

پس جب بوسہ نہ لینے والے کے بارے میں یہ حکم ہے (کہ وہ شارع علیہ السلام کی خلاف ورزی کرنے والا ہے) تو اس شخص کے بارے میں بھلا کیا خیال ہے؟ جو سرے سے ہی اس کا منکر ہے، بیشک ایسے شخص کا وبال و گناہ بہت بڑا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے بخشش کا سوال کرتے ہیں۔

محققین ائمہ کرام سے ہر زمانے میں بوسہ لینے کا ثبوت

علمائے کرام کا ہر زمانے میں ہاتھوں کو بوسہ دینے کے بارے میں معمول رہا ہے اور اس بارے میں کسی نے بھی کوئی انکار و اعتراض نہیں کیا ہے جیسا کہ امام ابن السنّی نے ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں حضرت ابوبکر بن محمد بن عمر ؓ سے روایت کیا ہے:

میں حضرت امام ابوبکر بن مجاہد علیہ الرحمہ کے پاس موجود تھا کہ حضرت سیدنا شبلی علیہ الرحمہ تشریف لائے تو ابوبکر بن مجاہد کھڑے ہوئے اور اِن سے گلے ملے اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا تو میں نے عرض کی یا سیدی! آپ نے شبلی علیہ الرحمہ کے ساتھ آج کیسا معاملہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا، میں نے اِن کے ساتھ وہی عمل کیا ہے جسے خواب میں میں نے رسول اللہ ﷺ کو اِن کے ساتھ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اور میں نے بھی حضور علیہ السلام سے ایسا ہی سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! آپ شبلی کے ساتھ ایسا فرما رہے ہیں؟ تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ ہر نماز کے بعد آیت ﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ : (سورۃ توبہ۹، آیت ۱۲۸) ترجمہ: بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول تشریف لائے، تمہارا تکلیف ومشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے ﴾ پڑھ کر پھر مجھ پر دُرود پڑھتا ہے۔اس واقعے کو حافظ ابوموسیٰ مدینی علیہ الرحمہ اور دیگر نے نقل کیا ہے۔

(جلاء الافہام لابن قیم، ۱۵۷، الصلات والبشر للفیروزآبادی، ۱۰۳، تاریخ بغداد للخطیب، ۱۴/ ۳۹۶)

حضرت سیدنا سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

عالم دین اور عادل بادشاہ کے ہاتھوں کو بوسہ دینا سنت ہے تو حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کے سر کا بوسہ لیا۔

(تبیین الحقائق للزیلعی، ۶/ ۲۵، مجمع الانہر للشیخ زادہ، ۴/ ۲۰۵)

اور امام مسلم بن حجاج قشیری ''صاحب صحیح'' کا واقعہ بھی معروف ہے کہ آپ نے امام بخاری علیہ الرحمہ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور اُن کے پاؤں کے بوسہ لینے کی خواہش کی۔

(مقدمہ فتح الباری لابن حجر، ۴۸۹)

تو ان واقعات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے بعد علمائے کرام بھی اس طرح کے بوسوں سے (جو بطور محبت وتعظیم ہوں) راحت محسوس کرتے تھے اور اس کا انکار نہیں کرتے تھے

چہ جائیکہ وہ اس کے انکار میں سختی کرتے اور عالم دین کے (ہاتھ، پاؤں) کے بوسہ لینے پر دلالت کرنے والی وہ روایت جسے امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کا بوسہ لیا۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیّت بعد الموت، رقم ۱۲۴۱، سنن نسائی، رقم ۱۸۴۰)

اور اسی طرح حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد حضور نبی کریم ﷺ نے اُن کا بوسہ لیا۔تو انہیں احادیث کی بنیاد پر محققین ائمہ کرام نے میت کے بوسہ لینے کے جواز کو بھی بیان کیا ہے۔ (سنن ترمذی، باب ما جاء فی تقبیل المیّت، رقم ۹۸۹)

اسی بنا پر محدثین کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ہے:

جب میت کا بوسہ لینا جائز ہے تو تمہارا بھلا اس عالم دین کے بارے میں کیا خیال ہے جو ابھی زندہ ہے اور لوگ اس کے ذریعے دین میں فائدہ حاصل کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں کا بوسہ لینے والے صرف علم دین کی تعظیم ہی کے پیش نظر ایسا کرتے ہیں۔

بہر حال یہ وہ آخری کلام تھا جو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے سوال کے جواب میں مجھ پر منکشف فرمایا۔

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے بندوں میں اس کی رحمت ومغفرت کے سب سے زیادہ محتاج محمد عابد بن شیخ احمد علی انصاری نسباً سندی مولداً نے بہ عجلت اسے تحریر کیا ہے اور یہ جواب سن ۱۲۲۲ھ کو ''الحدیدۃ المحروسۃ'' میں میرے داخل ہونے کے وقت لکھا گیا دراں حال کہ میں مزید مقامات کی جانب پابہ رکاب ہوں۔

أسأل الله تعالى العفو والغفران والفوز بالجنة والرضوان انه على ذلك قدير وبالاجابة جدير وصلى الله تعالى على سيدنا محمد وآله أصحابه وسلّم تسليمًا مباركًا طيبًا :

الصارم المسلول

علی من انکر التسمیّة

بعبد النبیّ وعبد الرسول

﴿ تالیف ﴾

شیخ الاسلام، الامام الکبیر

شیخ محمد عابد السندی الانصاری

رئیس علماء المدینة المنورة فی عصره المتوفیٰ ۱۳۵۷ھ

﴿ ترجمہ ﴾

خلیفہ مفسر اعظم پاکستان

علامہ مفتی اعجاز احمد قادری اویسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین

والصلوٰۃ و السلام علیٰ خیر البریّۃ

و سیّد المرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین

﴿ سوال ﴾

علمائے کرام ﴿اللہ تعالیٰ انہیں سلامتی عطا فرمائے﴾ اِس مسئلے کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حضور نبی کریم ﷺ سے محبت و برکت کے حصول کے لئے۔۔۔یا اُن کی ذات عالی کے پیش نظر عاجزی کرتے ہوئے اپنے بچوں کے نام عبد النبی (عبد الرسول) غلام محمد، غلام نبی، یا غلام احمد وغیرہ رکھے، تو کیا ایسے نام رکھنے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

﴿ جواب ﴾

واللہ الموفق للصواب

جب نام رکھنے والا شخص جناب رسالت ﷺ کی نسبت سے برکت اور رسالت محمدیہ ﷺ سے شرف وسعادت حاصل کرنے کے ارادے سے ایسا کرے اور اس کے پیش نظر صرف محبت رسول ﷺ ہو اور وہ بارگاہ اعظم ﷺ کے سامنے عاجزی اختیار کرتے ہوئے ایسا کرے، تو اپنے بچے یا کسی اور کے لئے ایسا کرنے والے کو اتنا ثواب ملے گا جس کا شمار ممکن نہیں۔

﴿1﴾ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو منبر پر فرماتے سنا:

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ :

ترجمہ: اعمال کی بنیاد نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی ہے جس کی اُس نے نیت کی پس جس نے اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور اس کے رسول کے لیے ہی شمار ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لیے ہوئی تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔ (صحیح بخاری، رقم ۱، صحیح مسلم، رقم ۴۹۲۷، مسند احمد، ۱/۲۵)

تو نام رکھنے والے شخص کا دیگر تمام ناموں کو چھوڑ کر اِن ناموں کو اختیار کرنا بھی تو گویا ایک ہجرت ہی ہے کیوں کہ **''ہجرت''** کہتے ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف اور ایک معاملے سے دوسرے معاملے کی طرف منتقل ہونا اور (ایسے مقدس نام کے انتخاب کرنے والے شخص نے) اپنی ہجرت میں مقبولیت ہی حاصل کی ہے اور حضور ﷺ کے قرب سے مشرف ہوا ہے اور بلاشبہ یہ قربِ رسول ﷺ دراصل قرب خداوندی ہے اور اس بارے میں وہی مخالفت کرے گا جس کی عقل پر غیبی پردے پڑ چکے ہوں، کیا ایسے مخالفت کرنے والے شخص کے ردّ کے لیے یہ آیت کافی نہیں جو کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے تمام انسانوں کے سردار ﷺ پر نازل فرمائی:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ

ترجمہ: (اے حبیب!) آپ فرما دیں، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔ (آل عمران ۳، آیت ۳۱)

اور غلام کا کام تو جمیع اقوال وافعال میں اتباع کرنا اور حکم بجالانا ہی ہوتا ہے اور

اگر کسی غلام نے بڑی محنت سے خدمت کی تو اس کی غلامی اِس کے لیے باعث فخر اور اللہ تعالیٰ ﷻ سے کثیر فیض و اکرام کی سعادت سے بہرہ ور کرنے والی ہوگی اور ایسا کیوں کر نہ ہو کہ ان کی محبت اللہ تعالیٰ ﷻ کی طرف سے لازم کردہ ہے جس پر اُس کی طرف سے رحمت، مغفرت اور ثوابِ عظیم کا انعام ہے اور بھلا کونسی شئی محبت علیم جل جلالہ سے بڑھ کر ہو سکتی ہے جس سے انسان کا کوئی ظاہری و باطنی عمل پوشیدہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ﷻ سے محبت تمام عالم علوی و سفلی کو (اس محبت کرنیوالے کا اسیر) بنانے والی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی صحیح حدیث میں مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿2﴾ اِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا نَادَى جِبْرَئِيلَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ فَيُحِبُّهُ جِبْرَئِيلُ فَيُنَادِىْ جِبْرَئِيلُ فِىْ أَهْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِىْ أَهْلِ الْأَرْضِ:

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ ﷻ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو جبرائیل سے فرماتا ہے کہ (اے جبرائیل!) اللہ تعالیٰ ﷻ اس بندے سے محبت فرماتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو پس جبرائیل بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر جبرائیل آسمانی مخلوق میں ندا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ﷻ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو پس آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والوں (کے دلوں) میں اس بندے کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

(صحیح بخاری، رقم ۳۲۰۹، صحیح مسلم، رقم ۶۷۰۵، مسند طیالسی، رقم ۲۵۵۸)

اور جس بندے سے اس کا ربّ ﷻ محبت کرے وہ کامیابی کو پا لیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے (اپنی محبت کرنے کو) اس آیت میں بیان فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ :

ترجمہ: بیشک اللہ بہت توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے اور خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۲۲۲)

پس یہ سب سے زیادہ واضح اور قوی دلیل ہے کہ جب عبد النبی، عبد الرسول وغیرہ نام رکھنے والا شخص جناب رسالت مآب ﷺ کی نسبت سے تبرک و سعادت کا ارادہ کرتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والا اور اُس نجاست شرک سے دُور ہونے والا ہے جو بارگاہِ رسالت تک رسائی سے مانع ہے۔

تو پھر بھلا ایسا نام رکھنے میں اللہ تعالیٰ ﷻ کی عبادت میں شریک ہونے کا وہم و گمان بھی کیسے آ سکتا ہے؟ نیز خیالات فاسدہ اور اوہامات باطلہ اس کی طرف راہ بھی کیوں کر پا سکتے ہیں کہ اس نام رکھنے والے نے ایسا نام رکھ کر شرک کیا۔ (نعوذ باللہ)

جب کہ اچھی نیت برے شخص کو بھی (بالآخر) برائی کے راستے سے دُور لے جاتی ہے اور مقبولیت کے ایسے مقام پر پہنچا دیتی ہے کہ وہ ہر مراد کو پا لیتا ہے کیا تم نے اس حدیث پر غور نہیں کیا جسے امام بخاری اور مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

﴿3﴾ لِلّٰهِ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضٍ فُلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَأَيِسَ مِنْهَا فَأَتَى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِىْ ظِلِّهَا قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهُ فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ ! أَنْتَ عَبْدِىْ وَأَنَا رَبُّكَ أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ :

(صحیح بخاری، رقم ۶۳۰۸، صحیح مسلم، رقم ۶۹۵۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ﷻ کو اپنے بندے کے توبہ کرنے پر اس بندے سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ جس بندے کی سواری کسی بیابان میں گم ہو جائے اور اسی پر کھانے پینے کا سامان بھی موجود ہو پھر وہ ان کے ملنے سے مایوس ہو جائے اور اپنی سواری سے نا اُمیدی کی

حالت میں درخت کے پاس آ کر لیٹ جائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو اس کی سواری قریب ہی کھڑی ہو تو یہ اس کی لگام پکڑ کر شدید خوشی سے پکارتا ہے، اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا ربّ ہوں: تو خوشی کی شدت کی وجہ سے وہ خطا کر جاتا ہے (یعنی کہنا کچھ چاہتا تھا اور کہہ کچھ گیا)۔

اس حدیث میں واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ ﷻ کو علم تھا کہ اس کے بندے کا مقصد اس کی نعمت کا اعتراف کرتے ہوئے شکر بجالانا ہے اگرچہ اس کے لفظوں میں صریح فساد موجود تھا لیکن اچھی نیت کی وجہ سے اسے قابل گرفت شمار نہیں کیا گیا۔

امام عینی نے شرح بخاری میں حضرت تیمی علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

اَلنِّیَّةُ أَبْلَغُ مِنَ الْعَمَلِ ''نیت عمل سے زیادہ وسیع ہے''

اس کا مطلب یہ ہے کہ نیت بغیر عمل کے بھی قبول ہے۔

﴿4﴾ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةٌ''

ترجمہ: جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا لیکن کسی وجہ سے اُسے کر نہ سکا تو پھر بھی وہ نیکی اُس کیلئے لکھی جاتی ہے۔ (صحیح مسلم، رقم ۳۳۵، مسند ابویعلی، رقم ۳۴۳۸، صحیح ابن حبان، رقم ۳۸۴)

﴿5﴾ امام بیہقی علیہ الرحمہ حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

'' نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ''

ترجمہ: مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

(شعب الایمان، رقم ۵/۳۴۳، معجم کبیر، ۶/۱۸۵، مسند الفردوس، ۴/۲۸۵)

اور اللہ تعالیٰ ﷻ کا اپنے بندے کو جنت میں ہمیشہ رکھنا اس کے اعمال کی بنا پر نہیں ہوگا بلکہ اس کی نیت کی بنا پر ہوگا کیونکہ اگر صرف اعمال کی بنیاد پر اُسے جنت میں رکھا جاتا تو

اس کے عمل کرنے کی مدت یا اس سے کچھ زیادہ دیر رکھا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ ﷻ نے اسے اس کی نیت کی جزا عطا فرمائی کہ اس بندے کی نیت یہ تھی کہ اگر وہ ہمیشہ بھی رہتا تو اللہ تعالیٰ ﷻ کی اطاعت ہی کرتا رہتا، اسی لئے اللہ تعالیٰ ﷻ نے اس کے عمل کے بجائے اس کی نیت پر جزا عطا فرمائی۔

اور اسی طرح کافر کا بھی حال ہے کہ اگر اسے صرف اعمال کی بنا پر سزا دی جاتی تو ہمیشہ جہنم میں سزا کا حق دار نہ ہوتا بلکہ جتنا زمانہ کفر میں گزارا صرف اتنی مدت کی سزا پاتا لیکن چونکہ اس کی نیت یہ تھی کہ اگر وہ ہمیشہ بھی زندہ رہتا تو بھی کفر ہی کرتا تو اس کو اس کی نیت کی جزا دی گئی۔

﴿6﴾ امام ابویعلی علیہ الرحمہ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى لِلْحَفَظَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أُكْتُبُوا لِعَبْدِىْ كَذَا وَكَذَا مِنَ الْأَجْرِ فَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا لَمْ نَحْفَظْ ذَلِكَ عَنْهُ وَلا هُوَ فِىْ صُحُفِنَا فَيَقُوْلُ إِنَّهُ نَوَاهُ:

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ﷻ روز قیامت فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کہ میرے بندے کے لیے فلاں فلاں کام کا ثواب بھی لکھو تو وہ عرض کریں گے اے ہمارے ربّ! ہمیں تو اس بندے کی ان نیکیوں کے بارے میں کوئی علم نہیں اور نہ ہی یہ ہمارے نوشتے میں لکھی ہوئیں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ ﷻ ارشاد فرمائے گا: بے شک اِس نے اُن کی نیت کی تھی۔

(عمدۃ القاری للعینی، ۱/۲۷، حلیۃ الاولیاء، ۲/۳۵۶)

﴿7﴾ امام مسلم اور امام ابن ماجہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لا يَنْظُرُ اِلَى صُوَرِكُمْ وَلا اِلَى أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ اِلَى قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ: (صحیح مسلم، رقم ۶۵۴۳، سنن ابن ماجہ، رقم ۴۱۴۳، مسند احمد، ۲/۴۸۵)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ ﷻ تمہارے چہروں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو ملاحظہ فرماتا ہے۔

﴿8﴾ امام طبرانی علیہ الرحمہ حضرت سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰـهَ عَزَّوَجَلَّ لا يَنْظُرُ اِلَى أَجْسَامِكُمْ وَلا اِلَى أَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ اِلَى قُلُوْبِكُمْ فَمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ صَالِحٌ تَحَنَّنَ اللّٰهُ عَلَيْهِ:

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ ﷻ تمہارے اجسام واموال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے پس جس کا دل اچھائی والا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ﷻ اس پر رحم وکرم فرماتا ہے۔

(مجمع الزوائد للہیثمی، ۱۰/۴۰۰، رقم ۱۷۷۱۷)

﴿9﴾ امام ابن ابی الدنیا اور امام حاکم حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" أَخْلِصْ دِيْنَكَ يَكْفِيْكَ الْقَلِيْلُ مِنَ الْعَمَلِ "

ترجمہ: اپنے دین میں اخلاص پیدا کرو تمہیں تھوڑا عمل بھی کفایت کرے گا۔

(کنز العمال، رقم ۵۲۵۷، تفسیر ابن کثیر، ۲/۳۰۱، مستدرک للحاکم، ۵/۴۳۵)

﴿10﴾ حکیم ترمذی علیہ الرحمہ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اَفْضَلُ الْعَمَلِ النِّيَّةُ الصَّادِقَةُ "

ترجمہ: سچی نیت افضل ترین اعمال میں سے ہے۔ (جامع صغیر للسیوطی، رقم ۱۲۸۴)

﴿11﴾ امام ابن النجار علیہ الرحمہ حضرت سیدنا مہاجر بن حبیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَقُوْلُ اِنِّى لَسْتُ عَلَى كَلَامِ الْحَكِيْمِ أَقْبَلُ وَلَكِنْ أَقْبَلُ عَلَى هَمِّهِ وَهَوَاهُ فَاِنْ كَانَ هَمُّهُ فِيْمَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَيَرْضَى جَعَلْتُ هَمَّهُ حَمْداً لِلّٰهِ وَوَقَارًا وَاِنْ لَمْ يَتَكَلَّمْ:

(جمع الجوامع، رقم ۵۲۹۳، کنز العمال، رقم ۷۲۴۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ﷻ ارشاد فرماتا ہے میں کسی دانا کو (محض) اس کی دانائی پر مبنی بات پر نہیں نوازتا بلکہ اس کی نیت اور مقصد پر اسے عطا کرتا ہوں پس اگر میری محبت اور رضا اس کا مقصود ہو تو میں اس کے مقصد کو ہی اپنی ثنا اور (اس کے لیے) عزت بنا دیتا ہوں اگرچہ وہ خاموش ہی کیوں نہ رہے۔

﴿12﴾ امام دیلمی علیہ الرحمہ مسند الفردوس میں حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اَلنِّيَّةُ الْحَسَنَةُ تُدْخِلُ صَاحِبَهَا الْجَنَّةَ "

ترجمہ: اچھی نیت کرنے والے کو اُس کی نیت جنت میں لے جائے گی۔

(مسند الفردوس، ۵/۵۰، رقم ۷۱۴۶)

انہیں احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام نے یہ قاعدہ مرتب فرمایا ہے "**اَلْأُمُوْرُ بِمَقَاصِدِهَا**" اور اسی قاعدے کے ذیل میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کو گھر میں رکھتا ہے لیکن اس کی تلاوت نہیں کرتا پس اگر وہ اسے رکھنے میں خیر وبرکت کا ارادہ کرتا ہے تو گناہگار نہیں ہوگا بلکہ اسے ثواب ملے گا، جیسا کہ علامہ ابن نجیم حنفی نے الاشباہ والنظائر میں لکھا ہے۔

لہٰذا نام رکھنے والا اور جس کا نام رکھا جا رہا ہے اگر اس سے تبرک وسعادت کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کی اچھی نیت کی وجہ سے اسے جائز رکھا جائے گا اور اس قلبی مریض کا قیل وقال انہیں کچھ نقصان نہیں دے گا جس کے دل میں مسلمانوں کے لیے برے خیالات رہتے ہیں۔

﴿13﴾ امام ابن نجار علیہ الرحمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَسَاءَ بِأَخِيْهِ الظَّنَّ فَقَدْ أَسَاءَ بِرَبِّهٖ تَعَالَى اِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَقُوْلُ ﴿اِجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِنَ الظَّنِّ﴾:

ترجمہ: جس شخص نے اپنے بھائی کے بارے میں بدگمانی کی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے بدگمانی سے کام لیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿زیادہ تر گمانوں سے بچا کرو﴾۔

امام مناوی علیہ الرحمہ نے ''شرح جامع صغیر'' میں حدیث ''**أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالَى مَا تُعُبِّدَ لَهٗ**'' کے تحت امام اوزاعی علیہ الرحمہ (درست اذرعی ہے جیسا کہ شرح جامع صغیر میں موجود ہے ان کا پورا نام شہاب الدین احمد بن حلوان بن احمد اذرعی حلبی شافعی متوفی ۷۸۳ھ ہے) سے جو اکابر ائمہ شافعیہ میں سے ہیں نقل کیا ہے:

مختلف سوالات اس بارے میں میرے پاس آئے اگر بندہ عبدالنبی نام رکھے (تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں) میں اس بارے میں سوچتا رہا حتی کہ (اللہ تعالیٰ نے میرے سینے کو کھول دیا اور) میں نے جان لیا کہ اگر بندہ ایسے نام رکھنے سے حضور نبی کریم ﷺ کی نسبت کا ارادہ کرتا ہے اور ''عبد'' سے اس کی مراد ''خادم'' ہے تو اسے ناجائز نہیں کہا جائے گا اور جہاں تک ممانعت کا تعلق ہے تو وہ جاہلوں کے (اس نام سے) شرک میں مبتلا ہونے یا حقیقت میں (عبد کا معنی) عبد حقیقی مراد لینے کی وجہ سے ہے (حالانکہ نہ تو یہاں شرک کا کوئی وہم ممکن ہے اور نہ ہی عبد سے عبد حقیقی مراد ہے بلکہ عبد سے غلام مراد ہے)۔

امام دمیری (علامہ محمد بن عبدالکریم بن احمد دمیری متوفی ۹۴۳ھ، یہ صاحب کتاب حیاۃ الحیوان کے مصنّف نہیں ہیں بلکہ دوسرے ہیں) نے عبدالنبی نام رکھنے کے بارے میں فرمایا:

اگر ایسا نام رکھنے سے مقصود نسبتِ رسول ﷺ ہو تو بلا شبہ جائز ہے جب کہ اکثر علماء نے (کم فہم لوگوں نے) شرک کے اندیشے میں مبتلا ہونے اور (عبد کو) عبد حقیقی گمان کر لینے

کی وجہ سے ممنوع قرار دیا ہے، جیسا کہ ''عبدالدار'' نام رکھنا بھی اسی لیے منع ہے۔

پس امام مناوی علیہ الرحمہ کی عبارت ''عبدالنبی'' وغیرہ نام رکھنے کے جواز پر دلالت کرتی ہے اور یہی بات درستگی کے زیادہ قریب ہے اور اسی طرف امام اوزاعی (یعنی اذرعی) بھی مائل ہیں جیسا کہ ماقبل عبارت گزر چکی۔

اور ممانعت صرف اس وجہ سے ہے کہ (کم فہم لوگ اس کے) سبب شرک کے اندیشے اور (عبد کو) عبد حقیقی قرار دینے کے وہم میں مبتلا نہ ہو جائیں اگر ایسا خوف نہ ہو اِن ناموں کے رکھنے میں کوئی ممانعت نہیں ہوگی اور برے خیالات سے تو مسلمانوں کو دُور رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور اگر بالفرض ان کے گمان میں شرک ہوتا تو وہ عبدالطاغوت، عبدالعزی وغیرہ نام رکھتے لیکن انہوں نے (تو ان خبیث ناموں کو چھوڑ کر پاکیزہ نام مثلاً) عبدالرسول، عبدالنبی رکھے ہیں، لہٰذا یہاں تو کوئی شرک کا شائبہ بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی مسلمان پر بدگمانی لازم آتی ہو اور بے شک عبدالرسول اور عبدالنبی اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے بالکل صحیح ہیں کیونکہ ''عبد'' کا لفظ ''مملوک'' کے معنی میں ہی منحصر نہیں ہے۔

قاموس میں لکھا ہے:

''عبد'' سے مراد (مطلقاً) انسان ہے چاہے وہ آزاد ہو یا غلام، نیز مملوک، خوشبودار پودے اور تیر کی چھوٹی مگر کشادہ پیکان کے لیے بھی یہ الفاظ استعمال ہوتا ہے، **اَلْعَبْدِيَّةُ** اور **اَلْعُبُوْدِيَّةُ** سے مراد ''اطاعت'' ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ''عبد'' کا لفظ مملوک ہی کے معنی میں منحصر نہیں بلکہ کئی اور معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے جو کہ ایک دوسرے سے جدا ہیں اور اس تفصیل کے پیشِ نظر یہ بھی جائز ہے کہ عبدالنبی اور عبدالرسول میں ''عبد'' کو طاعت کے معنی میں لیا جائے تو معنی ہو

گا ''مطیع النبی/مطیع الرسول'' اور یہ بھی ممکن ہے کہ (عبد) کو تیر کے معنی میں لیا جائے تو اس طرح عبدالنبی اور عبدالرسول کا مطلب ہوگا **سَھْمُ النَّبِی** اور **سَھْمُ الرَّسُوْلِ** (یعنی نبی کے تیر اور رسول کے تیر) جو دشمنان رسول اور کفار ومشرکین کو لگنے والے ہیں اور اس صورت میں کافروں پر شدت کا اظہار ہوگا۔

نیز ماقبل امام اذرعی کے کلام میں بھی گزر چکا کہ عبد بمعنی خادم ہے اور اس قول کی تائید ابن جریر طبری کے اس آیت کے تحت تفسیری قول سے بھی ہوتی ہے کہ ''**عَبَدَ الطَّاغُوْتَ**'' (مائدہ۵،آیت۶۰) اس میں ''**عَبُدَ**'' عین کے فتحہ اور با کے ضمہ کے ساتھ ہے (حجاز، شام، بصرہ اور کوفی علمائے قرآت اسے ''عَبَدَ''، فعل ماضی ہی پڑھتے ہیں جیسا کہ ہماری قرآت حفص میں بھی یوں ہی ہے، اسی لیے ہم نے اسی کے مطابق لکھا ہے البتہ امام حمزہ اسے ''عَبُدَ'' پڑھتے ہیں تو ایسی صورت میں) عبد کی اضافت ''الطاغوت'' کی طرف ہوگی (جس کی وجہ سے یہ مجرور ہوگا یعنی عَبُدَ الطَّاغُوْتِ) اور انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا کہ وہ طاغوت کے خادم تھے، جیسا کہ امام اعمش علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حضرت یحیی بن وثاب نے ''**عَبُدَ الطَّاغُوْتِ**'' پڑھا اور پھر فرمایا اس سے مراد خادم ہیں نیز حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ حضرت حمزہ علیہ الرحمہ نے بھی اسی طرح تلاوت کر کے معنی بیان کیا اور حضرت جریر علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ حضرت اعمش علیہ الرحمہ بھی اسی طرح (عَبُدَ الطَّاغُوْتِ) پڑھا کرتے تھے۔

اور اگر (ان تمام باتوں سے قطع نظر) تم لفظ عبد کو مملوک کے معنی میں ہی قرار دیتے ہو تو پھر اس میں حذف مجاز کا استعمال ہوگا اور اصل عبارت یوں ہوگی، عبدرب النبی اور عبدرب الرسول اور اسے ''**مجاز عقلی**'' کہتے ہیں، اس کی مثال ''**وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ**'' [سورہ یوسف ۱۲،آیت۸۲: **ترجمہ**: اس بستی (والوں) سے پوچھ لیں] اور ''**سَالَ الْمِيزَابُ**'' [پرنالہ بہا] نیز مومن کا قول ''أَنْبَتَ الرَّبِيعُ الْبَقَلَ'' [بہار نے سبزی اُگائی] ہے۔

لفظ عبد کے مملوک کے ہی معنی میں خاص ہونے کے دعوی کے پیش نظر یہاں (اسے مجاز عقلی) کے معنی پر محمول کرنے کی دو وجوہات ہیں:

(۱) یہاں (لفظ عبد کی) نبی اور رسول کی طرف جو اضافت موجود ہے، وہی اسی بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یہاں مجازی معنی ہی مراد ہے کیونکہ نبی اور رسول سے مراد وہ انسان ہے جسے اللہ تعالی ﷻ نے شریعت کی تبلیغ کے لیے بھیجا ہے اور احکام شریعت میں سب سے زیادہ اہم توحید (کا بیان کرنا) ہے اور شرک کی نفی کرنا ہے۔

(۲) اللہ تعالی ﷻ کو ایک ماننے والے مسلمانوں کا ایسا نام رکھنا اسی طرح ہے جیسا کہ مؤمن کا ''**أَنْبَتَ الرَّبِيعُ الْبَقَلَ**'' [بہار نے سبزی اُگائی] کہنا کہ اس میں ''**مجاز عقلی**'' ہے (کیوں کہ مومن موثر حقیقی اللہ تعالی ہی کو مانتا ہے، اس لیے بہار کا سبزی اُگانا اس کے نزدیک صرف سبب ہے) اور دہری کا یہ کہنا ''**أَنْبَتَ الرَّبِيعُ الْبَقَلَ**'' [بہار نے سبزی اُگائی] یہ حقیقت ہے (کیوں کہ وہ خدا کو نہیں مانتا، اس لیے اُس کے نزدیک موثر حقیقی بہار ہی ہوئی)۔ جیسا کہ کسی شاعر نے اپنے شعر میں کہا:

مَيَّزَ عَنْهُ قُنْزُعًا عَنْ قُنْزُعٍ   جَذْبُ اللَّيَالِي أَبْطِئِي أَوْ أَسْرِعِي

تو اس شعر میں (اسی قصیدے کے دوسرے شعر) ''**أَفْنَاهُ قِيلَ اللّٰهِ لِلشَّمْسِ اطْلَعِي**'' کی وجہ سے مجاز عقلی مراد لیا گیا ہے۔

اور باقی رہا لفظ ''غلام'' کا معاملہ تو اس کو اہل عرب نے اصلاً مملوک کے معنی کیلئے وضع نہیں کیا بلکہ آیات واحادیث میں اسے نوجوان، بوڑھے، لڑکپن والے افراد کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے، جیسا کہ

يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ: (سورہ مریم۱۹،آیت۷)

ترجمہ: اے زکریا! بیشک ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا :(سورہ مریم ۱۹،آیت ۱۹)

ترجمہ:(جبرائیل علیہ السلام نے) کہا، میں تو فقط تیرے ربّ کا بھیجا ہوا ہوں (اس لئے آیا ہوں) کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔

حدیث معراج میں حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا فرمانا جب کہ حضور نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے تشریف لے گئے تو وہ رونے لگے، اِن سے پوچھا گیا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے عرض کی ''اے میرے ربّ! یہ نوجوان جسے تونے میرے بعد مبعوث فرمایا''۔

تو اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور ﷺ کو نوجوان کہا حالانکہ اس وقت آپ ﷺ ظاہری عمر مبارک میں بزرگی یا پختہ عمر کے حامل تھے۔

امام مطرزی علیہ الرحمہ نے '' المغرب '' میں لکھا ہے:

''اَلْغُلَامُ اور اَلْغُلَامَۃُ'' دراصل عبد اور لونڈی کے لیے مستعار لیے ہوئے ہیں تو ایسی صورت میں غلام کو حقیقۃً مملوک کے معنی میں مراد لینا نکل جائے گا۔

اور تم پر یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ عبد النبی اور عبد الرسول نام رکھنے سے منع کرنے کی دو علتیں بیان کی جاتیں ہیں:

(۱) لفظ عبد کو غیر اللہ کی طرف مضاف کرنے سے شرک کا گمان ہوتا ہے

(۲) آزاد بندے کو غلامی سے موصوف کرنا پایا جاتا ہے، حالانکہ ''آزادی'' غلامی سے کہیں افضل ہے۔

اس پہلی علت کا جواب تو یہ ہے کہ ''مَرجَانُ عَبْدُ زَیْدٍ'' [مرجان زید کا غلام ہے] ''رَیحَانُ عَبْدُ عَمرٍو'' [ریحان عمرو کا غلام ہے] ''اَتَانِیْ عَبْدُکَ'' [میرے پاس تیرا غلام آیا] ''سَافَرَ عَبْدِیْ'' [میرے غلام نے سفر کیا] گو ان الفاظ میں بھی لفظ عبد کی اضافت غیر اللہ کی طرف ہو رہی ہے لیکن کسی نے بھی اسے حرام نہیں کہا۔

﴿14﴾ اور وہ حدیث جسے بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لا یَقُلْ أَحَدُکُم عَبْدِیْ،أَمَتِیْ وَلْیَقُلْ،فَتَایَ،فَتَاتِیْ وَغُلَامِیْ''

ترجمہ:تم میں سے کوئی عبدی اور اَمتی نہ کہا کرے، بلکہ فتای (میرا نوجوان غلام) فتاتی (میری نوجوان باندی) اور غلامی (میرا غلام) کہا کرے (یعنی لفظ ''عبد'' اور ''أمتی'' کا استعمال نہ کرے)۔

(صحیح بخاری، رقم ۲۵۵۲، صحیح مسلم، رقم ۵۸۷۴)

اور امام بخاری نے ''ادب مفرد'' میں اتنا اضافہ کیا ہے:

''کُلُّکُم عَبِیدُ اللّٰہِ وَکُلُّ نِسَائِکُم إِمَاءُ اللّٰہِ تَعَالَی''

ترجمہ:تم سب اللہ تعالی کے بندے ہو اور ساری عورتیں اس کی بندیاں ہیں۔

(الادب المفرد للبخاری، باب لا یقول عبدی، رقم ۲۰۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے:

علمائے کرام حتی کہ اہل ظواہر بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے نہی تنزیہی مراد ہے۔

اسی لئے امام خطابی نے فرمایا:

ان تمام کا مقصود یہ ہے کہ تکبر سے منہ موڑ کر اللہ تعالی جل جلالہ کے لیے ہر معاملے میں عاجزی وانکساری اختیار کی جائے اور بندے کو یہی لائق بھی ہے کہ وہ عاجزی کرے۔

امام نووی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

اس حدیث میں فخر کے لیے (عبد کا لفظ) استعمال کرنے سے ممانعت کی گئی ہے بطور تعریف و پہچان کے استعمال کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔

اسے مکروہ تنزیہی کہنے کی تائید اللہ تعالی جل جلالہ کے اس فرمان کے پیش نظر ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ : (سورۃ نور ۲۴، آیت ۳۲)

ترجمہ: اورتم اپنے مردوں اورعورتوں میں سے ان کا نکاح کر دیا کرو جو (عمر نکاح کے باوجود) بغیر ازدواجی زندگی کے (رہ رہے) ہوں اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور باندیوں کا بھی (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ محتاج ہوں گے (تو) اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔

پس اس آیت میں اللہ تعالی ﷻ نے بندوں کی عبودیت کو ہماری طرف منسوب فرمایا ہے۔

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث میں بھی ہے:

”مَنْ أَعْتَقَ شِقْصاً لَهُ مِنْ عَبْدٍ“ **ترجمہ:** جس نے غلام کے کسی حصے کو آزاد کیا۔

اسی لئے امام بخاری نے اپنی صحیح میں مذکورہ بالا دونوں دلائل سے استدلال کرتے ہوئے کسی انسان کی طرف عبد کی اضافت کو جائز قرار دیا ہے، البتہ عبدالدار اور عبد الکعبہ کو ان کے ساتھ ملحق کرنا جیسا کہ کتاب ”تحفۃ المحتاج فی شرح المہناج“ لابن حجر مکی شافعی علیہ الرحمہ کی عبارت سے گمان ہوتا ہے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ گھر اور کعبہ میں ملکیت کی صلاحیت متحقق نہیں ہے برخلاف انسان کے کہ اس کے زندہ ہونے یا مرجانے سے بھی اس کی ملکیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

﴿15﴾ رہی دوسری صورت تو اس کی نفی اس روایت سے ہوتی ہے جسے امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوكِ الصَّالِحِ أَجْرَانِ ﴿وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهِ لَوْلَا الْجِهَادُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْحَجُّ وَبِرُّ أُمِّیْ لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَمُوْتَ وَأَنَا مَمْلُوْكٌ﴾

ترجمہ: نیک غلام کے لیے دو اجر ہیں ”اُس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر جہاد فی سبیل اللہ، حج اور میری والدہ کی خیر خواہی کا معاملہ درپیش نہ ہوتا تو مجھے یہ پسند تھا کہ میری موت حالت غلامی میں ہوتی“

(صحیح بخاری، رقم ۲۵۴۸، الادب المفرد للبخاری، رقم ۲۰۸، صحیح مسلم، رقم ۱۶۶۵)

محدثین عظام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث میں ”**والذی نفسی بیدہ**“ آخر تک یہ حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کا کلام ہے حضور ﷺ کا کلام نہیں، کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ تو اس وقت موجود ہی نہیں تھیں، جس کے ساتھ بھلائی فرماتے (بلکہ انتقال فرما گئی تھیں)، لہٰذا پتہ چلا کہ یہ غلامی کی تمنا وخواہش حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تھی:

احادیث مبارکہ اس بات کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں کہ جو صالح اور نیک غلام اللہ تعالی ﷻ اور اپنے آقا کا حق صحیح طور پر ادا کرے تو اسے دوگنا ثواب ملتا ہے، اسی لیے امام کرمانی علیہ الرحمہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ ان احادیث کی روشنی میں تو غلاموں کو اپنے آقا سے بھی زیادہ اجر ملتا ہے تو اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے کیونکہ انہیں صرف اسی طور دوگنا ثواب ملتا ہے لیکن ان کے آقا کو دوسرے طور پر غلام سے بھی زیادہ اجر وثواب ملتا ہے (مثلاً آقا اپنے غلام کا خیال رکھے جو لباس خود پہنے اسے بھی دے جو خود کھائے اسے بھی کھلائے وغیرہ تو اس صورت میں آقا کو غلام سے بھی زیادہ اجر وثواب ملتا ہے)۔

سائل کے سوال کے جواب میں ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں اور میں نے اس رسالے کا نام ”**شِفَاءُ قَلْبِ سُؤُولٍ فِیْ جَوَازِ مَنْ تُسَمّٰی بِعَبْدِ النَّبِیِّ وَعَبْدِ الرَّسُوْلِ**“ رکھا ہے اور تم اگر چاہو (تو اس کی دلائل کی شدت کے پیش نظر جو کہ مخالفین پر قیامت ڈھانے والے ہیں) اس کا نام ”**اَلصَّارِمُ الْمَسْلُوْلُ عَلٰی مَنْ أَنْكَرَ التَّسْمِيَةَ بِعَبْدِ النَّبِیِّ وَعَبْدِ الرَّسُوْلِ**“ رکھ لو (تاکہ منکر کی جڑ کٹ جائے)۔

”وصلی اللہ تعالی علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم“

تمت

حکم اطعام الطعام

فی مناسبات الفرح او الترّح

﴿تالیف﴾

شیخ الاسلام، الامام الکبیر

شیخ محمد عابد السندی الانصاری

رئیس علماء المدینۃ المنورۃ فی عصرہ المتوفیٰ ١٢٥٧ھ

﴿ترجمہ﴾

خلیفہ مفسر اعظم پاکستان

علامہ مفتی اعجاز احمد قادری اویسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر البریۃ
و سیّد المرسلین وآلہ و صحبہ اجمعین

سوال

کچھ لوگوں کا معمول بن گیا ہے کہ وہ بعض خوشی ومسرت کے مواقع مثلاً پیدائش وغیرہ میں لوگوں کو جمع کر کے کھانا کھلاتے ہیں اور اسی طرح کچھ لوگ اکابرین اولیائے کرام اور صلحائے عظام کے وصال کے مواقع (یعنی عرس، ماہانہ فاتحہ وغیرہ) پر لوگوں کو جمع کر کے کھانا کھلاتے ہیں، جبکہ ہمارے یہاں کچھ (نام نہاد قسم کے) سخت مزاج اہل علم ایسے طور پر کھانے کھلانے اور شریک ہونے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔

تو کیا ایسے افراد کی ممانعت کو سنا جائے یا پھر اس بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ ہمیں بتا کر عنداللہ ماجور ومشکور ہوں۔

جواب

میں اللہ تعالیٰ ﷻ کی (عطا کردہ) مدد سے کہتا ہوں اور اللہ بزرگ و برتر ﷻ کے علاوہ کوئی طاقت نہیں۔ اے اللہ ﷻ! ہمیں اسی شی کا علم عطا فرما جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے اور ہمارے علم میں اضافہ فرما۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّاب

ترجمہ: اے ربّ! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بیشک تو ہے بڑا دینے والا۔ (سورۂ آل عمران ۳، آیت ۸)

کھانا کھلانے کا ثواب

پیدائش اور وصال کے موقعوں پر کھانا کھلانے کے بارے میں (تفصیل جاننے سے قبل یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ) علمائے کرام میں سے کسی نے بھی کھانا کھلانے کی فضیلت کے بارے میں شک و شبہ ظاہر نہیں کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ﷻ نے تو ایسے (یعنی کھانا کھلانے والے) افراد کی تعریف فرمائی ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّأَسِيرًا: (سورہ الدھر ۷۶، آیت ۸)

ترجمہ: اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔

اور (کھانا نہ کھلانے والے) افراد کی مذمت بیان فرمائی ہے:

وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ: (سورۃ الفجر ۸۹، آیت ۱۸)

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کے کھلانے کی رغبت نہیں دیتے۔

وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ: (سورۃ الماعون ۱۰۷، آیت ۳)

ترجمہ: اور مسکین کو کھانا دینے کی رغبت نہیں دیتا۔

اور کافروں کے جہنم میں ہمیشہ رہتے ہوئے اس (حسرت بھرے) قول کا بھی بیان کیا ہے کہ:

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ:

ترجمہ: وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے۔ (المدثر ۷۴، آیت ۴۳/۴۴)

اور اللہ تعالیٰ ﷻ نے اپنے اس فرمان مبارک کے ذریعے (لوگوں کو کھانا کھلانے کی) ترغیب دی ہے۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ : (سورہ بلد ۹۰، آیت ۱۱/۱۶)

ترجمہ: پھر بے تامل گھاٹی میں نہ کودا، اور تو نے کیا جانا وہ گھاٹی کیا ہے کسی بندے کی گردن

چھڑانا، یا بھوک کے دن کھانا دینا، رشتہ دار یتیم کو، یا خاک نشین مسکین کو۔

﴿1﴾ امام بخاری و مسلم حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ سے سوال کیا: کون سا اسلام بہتر ہے؟ (یعنی اسلام میں کون سا عمل میرے لیے زیادہ بہتر وفائدہ مند ہے) تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ"

"لوگوں کو کھانا کھلانا اور ہر واقف وناواقف کو سلام کرنا"

(صحیح بخاری، باب افشاء السلام من الاسلام، رقم ۲۸، صحیح مسلم، باب بیان تفاضل الاسلام، رقم ۱۶۰)

﴿2﴾ امام احمد، حاکم اور ابن حبان نے حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجیے کہ اگر میں اس پر عمل کروں تو جنت میں داخلہ نصیب ہو جائے، تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"أَطْعِمِ الطَّعَامَ وَأَفْشِ السَّلَامَ وَصِلِ الْأَرْحَامَ وَصَلِّ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ"

کھانا کھلاؤ، سلام کو عام کرو، صلہ رحمی کرو اور رات میں جس وقت لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھو (ان اعمال کی برکت سے) سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(مسند احمد، ۲/۲۹۵، مستدرک للحاکم، رقم ۷۲۵۶، صحیح ابن حبان، رقم ۲۵۵۹)

﴿3﴾ امام ترمذی علیہ الرحمہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَأَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ"

رحمٰن (جل جلالہ) کی عبادت کرو، کھانا کھلاؤ، سلام کو عام کرو (تو ان اعمال کی برکت سے) سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(سنن ترمذی، ماجاء فی فضل اطعام الطعام، رقم ۱۸۵۵، مسند احمد، ۲/۱۹۶)

﴿4﴾ امام طبرانی علیہ الرحمہ سند حسن کے ساتھ "معجم کبیر" میں جبکہ امام حاکم علیہ الرحمہ اس کی تصحیح کرتے ہوئے (مستدرک میں) حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بیشک جنت میں ایسے بالا خانے ہیں، جن کا بیرونی منظر اندر سے اور اندرونی نظارہ باہر سے صاف دکھائی دیتا ہے (یہ پُر کیف بیان سن کر) حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کس کے لیے ہیں؟ تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لِمَنْ أَطَابَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَبَاتَ قَائِمًا وَّالنَّاسُ نِيَامٌ"

جو اچھی گفتگو کرتے ہیں، (لوگوں کو) کھانے کھلاتے ہیں اور جس وقت لوگ سو رہے ہوں تو یہ رات (عبادت میں) کھڑے ہو کر گزار دیتے ہیں۔

(معجم کبیر للطبرانی، ۳/۳۰۱، رقم ۳۴۶۶، مستدرک للحاکم، رقم ۱۲۴۰)

﴿5﴾ امام ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بیشک جنت میں ایسے بالا خانے بھی ہیں جن کا بیرونی منظر اندر سے اور اندرونی نظارہ باہر سے صاف دکھائی دیتا ہے:

"أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِمَنْ أَطْعَمَ الطَّعَامَ وَأَفْشَى السَّلَامَ وَصَلَّى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ"

انہیں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ان لوگوں کیلئے بنایا ہے جو کھانا کھلاتے ہیں سلام کو عام کرتے ہیں اور جس وقت لوگ سو رہے ہوں تو یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں۔

(صحیح ابن حبان، رقم ۵۰۹، سنن کبریٰ للبیہقی، ۴/۳۰۰، شرح السنہ للبغوی، رقم ۹۲۷)

﴿6﴾ امام ترمذی علیہ الرحمہ حضرت سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یَا اَیُّهَا النَّاسُ! اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ"

اے لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ اور جس وقت لوگ سو رہے ہوں تو تم نماز پڑھو (تو ان اعمال کی برکت سے) سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

(سنن ترمذی، رقم ۲۳۸۵، مسند احمد، ۵/۴۵۱، سنن ابن ماجہ، رقم ۳۲۵۱)

﴿7﴾ امام حاکم علیہ الرحمہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (یہ کام) کفارات (یعنی سامان تجارت و بخشش میں سے ہیں)۔

"اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَاِفْشَاءُ السَّلَامِ وَالصَّلَاةُ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ"

کھانا کھلانا، سلام کو عام کرنا اور جس وقت لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھنا۔

(مستدرک للحاکم، باب فضیلة اطعام الطعام، رقم ۲۵۵۷)

﴿8﴾ امام حاکم علیہ الرحمہ حضرت سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا، تم میں کھانے کے حوالے سے قدرے بے احتیاطی ہے اور فرمایا: بیشک میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

"خِیَارُکُمْ مَنْ اَطْعَمَ الطَّعَامَ"

تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو (لوگوں کو) کھانا کھلاتے ہیں۔

(مسند احمد، رقم ۲۳۹۲۶، حلیة الاولیاء، رقم ۵۰۳، مسند البزار، رقم ۲۰۹۳)

﴿9﴾ امام حاکم اور امام بیہقی حضرت سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مُوْجِبَاتُ الرَّحْمَةِ اِطْعَامُ الْمُسْلِمِ الْمِسْکِیْنَ"

رحمت الٰہی کو لازم کرنے والا (کام) کسی مسلمان مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔

جبکہ دوسری روایت میں ہے:

"اِنَّ مِنْ مُوْجِبَاتِ الْمَغْفِرَةِ اِطْعَامُ الْمُسْلِمِ السَّغْبَانِ الْجَائِعِ"

(اللہ تعالیٰ ﷻ کی طرف سے) مغفرت کو لازم کرنے والے اعمال میں سے ایک کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلانا ہے۔

(مستدرک للحاکم، رقم ۳۹۹۰، مکارم الاخلاق للطبرانی، رقم ۱۵۷، شعب الایمان للبیہقی، رقم ۳۳۶۶)

﴿10﴾ امام ابن حبان علیہ الرحمہ حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیُرْبِیْ لِاَحَدِکُمُ التَّمْرَةَ وَاللُّقْمَةَ کَمَا یُرْبِیْ اَحَدُکُمْ فَلُوَّهٗ اَوْ فَصِیْلَهٗ حَتّٰی یَکُوْنَ مِثْلَ اُحُدٍ"

بیشک اللہ تعالیٰ ﷻ تمہاری کھجور اور روٹی کے ٹکڑے کو (جو تم نے صدقہ کیا تھا اسے قبول فرماتے ہوئے) اس طرح بڑھاتا رہتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے یا عمارت کو بڑھاتا رہتا ہے (اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمہارے تھوڑے سے صدقے کو بڑھاتا ہے) یہاں تک کہ وہ اُحد پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے۔ (صحیح ابن حبان، رقم ۳۳۰۶، مسند احمد، ۶/۲۵۱)

﴿11﴾ امام طبرانی "معجم الاوسط" میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَیُدْخِلُ بِلُقْمَةِ الْخُبْزِ وَقُبْضَةِ التَّمْرِ وَمِثْلِهٖ مِمَّا یَنْتَفِعُ بِهِ الْمِسْکِیْنُ ثَلَاثَةً الْجَنَّةَ: اَلْآمِرَ بِهٖ وَالزَّوْجَةَ تُصْلِحُهٗ وَالْخَادِمَ الَّذِیْ یُنَاوِلُ الْمِسْکِیْنَ"

بیشک اللہ تعالیٰ ﷻ 'روٹی کے ایک لقمے، کھجور کی ایک مٹھی اور ایسی ہی کوئی چیز جس سے کسی مسکین کو نفع پہنچا ہو' کے بدلے تین افراد کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ (۱) اس شئی کے دینے کا حکم کرنے والے کو (۲) بیوی کو جس نے اس چیز کو (پکا کر) تیار کیا (۳) اور خادم کو جس نے مسکین تک اس شئی کو پہنچایا۔ (مجمع الزوائد للہیثمی، ۳/۲۸۸، رقم ۴۶۲۲)

﴾12﴿ امام بیہقی علیہ الرحمہ حضرت سیدنا انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ أَنْ تُشْبِعَ كَبِدًا جَائِعًا "

ترجمہ: افضل ترین صدقہ یہ ہے کہ تو کسی بھوکے جگر والے کو سیر کردے (یعنی کھانا کھلا دے)۔

(شعب الایمان للبیہقی، فصل اطعام الطعام، رقم ۳۳۶۷)

﴾13﴿ امام طبرانی علیہ الرحمہ معجم کبیر میں حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" مَنْ أَطْعَمَ مُؤْمِنًا حَتّٰى يُشْبِعَهُ مِنْ سَغَبٍ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بَابًا مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ لا يَدْخُلُهُ إِلَّا مَنْ كَانَ مِثْلَهُ "

جو شخص کسی مومن کو کھانا کھلائے حتی کہ اس کی بھوک ختم ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے دروازوں میں سے ایسے دروازے سے داخل فرمائے گا جس میں سے سوائے ایسے اعمال کرنے والوں کے کوئی دوسرا داخل نہیں ہوگا۔

(معجم کبیر للطبرانی، ۲۰/۸۵، رقم ۱۶۲، مسند الشامیین، رقم ۲۲۰۷)

﴾14﴿ امام ابو الشیخ علیہ الرحمہ "کتاب الثواب" میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" مَا مِنْ عَمَلٍ أَفْضَلُ مِنْ إِشْبَاعِ كَبِدٍ جَائِعٍ "

"بھوکے جگر کو سیر کرنے سے زیادہ فضیلت والا کوئی عمل نہیں"

(الترغیب والترہیب للمنذری، باب اطعام الطعام، رقم ۱۳۶۰)

﴾15﴿ امام ابو الشیخ علیہ الرحمہ "کتاب الثواب" میں حضرت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" لَأَنْ أُطْعِمَ أَخًا لِيْ فِي اللّٰهِ لُقْمَةً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَصَدَّقَ عَلٰى مِسْكِيْنٍ بِدِرْهَمٍ وَلَأَنْ أُعْطِيَ أَخًا لِيْ فِي اللّٰهِ دِرْهَمًا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَصَدَّقَ عَلٰى مِسْكِيْنٍ بِمِائَةِ دِرْهَمٍ "

اپنے کسی دینی بھائی کو ایک لقمہ کھانا کھلانا میرے نزدیک اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ کسی مسکین پر ایک درہم صدقہ کروں اور اپنے کسی دینی بھائی کو ایک درہم دینا مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں کسی مسکین پر سو درہم صدقہ کروں۔

(الترغیب والترہیب للمنذری، باب اطعام الطعام، رقم ۱۳۶۹)

﴾16﴿ امام ابن حبان علیہ الرحمہ اپنی "صحیح" میں حضرت سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" تَعَبَّدَ عَابِدٌ مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ فَعَبَدَ اللّٰهَ فِيْ صَوْمَعَتِهِ سِتِّيْنَ عَامًا فَأَمْطَرَتِ الْأَرْضُ فَاخْضَرَّتْ فَأَشْرَفَ الرَّاهِبُ مِنْ صَوْمَعَتِهِ فَقَالَ لَوْ نَزَلْتُ فَذَكَرْتُ اللّٰهَ لازْدَدْتُّ خَيْرًا فَنَزَلَ وَمَعَهُ رَغِيْفٌ أَوْ رَغِيْفَانِ فَبَيْنَمَا هُوَ فِي الْأَرْضِ لَقِيَتْهُ امْرَأَةٌ فَلَمْ يَزَلْ يُكَلِّمُهَا وَتُكَلِّمُهُ حَتّٰى غَشِيَهَا ثُمَّ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فَنَزَلَ الْغَدِيْرَ يَسْتَحِمُّ فَجَاءَهُ سَائِلٌ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَنْ يَأْخُذَ الرَّغِيْفَيْنِ أَوِ الرَّغِيْفَ ثُمَّ مَاتَ فَوُزِنَتْ عِبَادَةُ سِتِّيْنَ سَنَةً بِتِلْكَ الزَّنْيَةِ فَرَجَحَتِ الزَّنْيَةُ بِحَسَنَاتِهِ ثُمَّ وُضِعَ الرَّغِيْفُ أَوِ الرَّغِيْفَانِ مَعَ حَسَنَاتِهِ فَرَجَحَتْ حَسَنَاتُهُ فَغُفِرَ لَهُ "

بنی اسرائیل میں ایک بہت عبادت گزار راہب تھا، اس نے اپنے عبادت خانے میں ساٹھ سال تک اللہ کی عبادت کی، پھر زمین پر بارش ہوئی جس سے زمین سرسبز ہوگئی، راہب نے اپنے عبادت خانے سے باہر نکل کر دیکھا تو دل میں کہا، اگر میں (عبادت خانے) سے نیچے اُتروں پھر اللہ ﷻ کو یاد کروں تو اپنی نیکیوں میں اس طرح اضافہ کرسکتا ہوں، اس کے بعد وہ نیچے اُترا آیا، اس کے پاس ایک یا دو روٹیاں بھی تھیں۔

وہ زمیں میں گھوم رہا تھا کہ ایک عورت ملی، اِس نے عورت سے کلام نہیں کیا اور نہ ہی عورت نے اس سے کوئی بات چیت کی، (پھر اس نے عورت سے بدفعلی کرلی) جس کے بعد (خوف خدا کی وجہ سے) اِس پر غشی طاری ہوگئی، جب کچھ افاقہ ہوا تو یہ ایک تالاب کے کنارے پہنچا تا کہ نہالے، اتنے میں ایک سائل آیا تو راہب نے اشارے سے کہا کہ اس کی روٹیاں لے لے، پھر راہب کا انتقال ہوگیا۔

تو اس کی ساٹھ سال کی عبادت کو اُس بدفعلی کے ساتھ تولا گیا، تو بدکاری کا گناہ اِس کی نیکیوں پر غالب آ گیا، پھر اس کی نیکیوں کے ترازوں میں (صدقہ کی ہوئی) روٹیاں رکھی گئیں تو اِس کی نیکیاں اُس کے گناہوں پر غالب آ گئیں، پس اِس کی مغفرت کردی گئی۔

(صحیح ابن حبان، رقم ۳۷۸، الترغیب والترہیب للمنذری، باب اطعام الطعام، رقم ۱۳۶۰)

﴿17﴾ امام ابوالشیخ علیہ الرحمہ ''کتاب الثواب'' میں اور امام بیہقی علیہ الرحمہ (شعب الایمان میں) نیز امام طبرانی علیہ الرحمہ معجم کبیر میں جبکہ امام حاکم علیہ الرحمہ صحت کے ساتھ (مستدرک میں) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ أَطْعَمَ أَخَاهُ حَتَّى يُشْبِعَهُ وَسَقَاهُ مَاءً حَتَّى يُرْوِيَهُ بَعَّدَهُ اللّٰهُ عَنِ النَّارِ سَبْعَ خَنَادِقَ بُعْدُ مَا بَيْنَ خَنْدَقَيْنِ مَسِيرَةُ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ''

جس شخص نے اپنے بھائی کو کھانا کھلایا حتی کہ اس کا پیٹ بھر گیا اور اسے پانی پلا دیا حتی کہ وہ سیراب ہوگیا تو اللہ تعالیٰ ﷻ اس شخص کو جہنم کی آگ سے سات خندقوں تک دُور کردے گا اور ہر دو خندقوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔

(الترغیب والترہیب للمنذری، باب اطعام الطعام، رقم ۱۳۵۹، شعب الایمان للبیہقی، رقم ۳۳۶۸)

﴿18﴾ امام ابوداؤد اور امام ترمذی حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''أَيُّمَا مُؤْمِنٌ أَطْعَمَ مُؤْمِنًا عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَأَيُّمَا مُؤْمِنٌ سَقَى مُؤْمِنًا عَلَى ظَمَاءٍ سَقَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ وَأَيُّمَا مُؤْمِنٌ كَسَا مُؤْمِنًا عَلَى عُرْيٍ كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ''

جو مومن کسی دوسرے بندہ مومن کو بھوک کے وقت کھانا کھلائے گا تو اللہ تعالیٰ ﷻ اسے روز قیامت جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مومن کسی دوسرے بندہ مومن کو پیاس کے وقت سیراب کرے گا تو اللہ تعالیٰ ﷻ اسے روز قیامت صاف ستھری مہر شدہ شراب پلائے گا اور جو مومن کسی دوسرے بندہ مومن کو بے لباسی کی حالت میں لباس پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ ﷻ اسے روز قیامت جنتی لباس پہنائے گا۔

(سنن ابوداؤد، باب فی فضل سقی الماء، رقم ۱۶۸۲، سنن ترمذی، باب فی ثواب الاطعام، رقم ۲۴۴۹)

''قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَقْفُهُ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ أَصَحُّ''

﴿19﴾ امام ابن ابی الدنیا علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''اصطناع المعروف'' میں حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کرتے ہیں:

''يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْرَىٰ مَا كَانُوا قَطُّ وَأَجْوَعَ مَا كَانُوا قَطُّ وَأَظْمَأَ مَا كَانُوا قَطُّ وَأَنْصَبَ مَا كَانُوا قَطُّ فَمَنْ كَسَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ كَسَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَمَنْ أَطْعَمَ لِلّٰهِ أَطْعَمَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَمَنْ سَقَا لِلّٰهِ سَقَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَمَنْ عَمِلَ لِلّٰهِ أَغْنَاهُ اللّٰهُ تَعَالَى وَمَنْ عَفَا لِلّٰهِ تَعَالَى أَعْفَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ''

لوگوں کو روز قیامت اس حال میں جمع کیا جائے گا کہ ایسے ننگے ہوں کہ کبھی اس سے پہلے نہ تھے اور ایسے بھوکے ہوں گے کہ پہلے کبھی نہ تھے اور ایسے پیاسے ہوں گے کہ پہلے کبھی نہ تھے اور ایسے تھکے ہوں گے کہ پہلے کبھی نہ تھے، پس جس نے اللہ تعالیٰ ﷻ کے لیے کسی کو لباس پہنایا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ﷻ اسے لباس پہنائے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ ﷻ کیلئے کھانا کھلایا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ﷻ اسے سیراب فرمائے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ ﷻ کیلئے

(نیک) اعمال کیے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ﷻ اسے غنی کردے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ ﷻ کیلئے معاف کیا ہوگا تو اللہ تعالیٰ ﷻ بھی اسے معاف فرما دے گا۔

(کتاب اصطناع المعروف، رقم ۸، رسائل ابن ابی الدنیا ۵۱۲/۸)

یہ روایت مذکورہ الفاظوں کے ساتھ مرفوعاً بھی مروی ہے۔

﴿20﴾ امام مسلم علیہ الرحمہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: يَا ابْنَ آدَمَ ! مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِىْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُوْدُكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِىْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِىْ عِنْدَهُ ؟ يَا ابْنَ آدَمَ ! اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِىْ قَالَ يَارَبِّ ! [وَ] كَيْفَ أُطْعِمُكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِىْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ؟ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِىْ يَا ابْنَ آدَمَ ! اِسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِىْ قَالَ يَا رَبِّ ! كَيْفَ أَسْقِيْكَ؟ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ اِسْتَسْقَاكَ عَبْدِىْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ أَمَا اِنَّكَ لَوْ أَسْقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِىْ "

بیشک اللہ تعالیٰ ﷻ قیامت کے دن ارشاد فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو میری عیادت کرنے نہیں آیا، بندہ عرض کرے گا اے میرے ربّ! میں تیری عیادت کیسے کرتا؟ کہ تو تو ربّ العالمین ہے، اللہ تعالیٰ ﷻ ارشاد فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوگیا تھا لیکن تو نے اس کی عیادت نہ کی، کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، بندہ عرض کرے گا اے میرے ربّ! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا؟ کہ تو تو ربّ العالمین ہے، اللہ

تعالیٰ ﷻ ارشاد فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا لیکن تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا، کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اس (کے ثواب) کو میرے پاس موجود پاتا۔

اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا مگر تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ عرض کرے گا کہ اے میرے ربّ! میں تجھے کیسے پانی پلاتا؟ کہ تو تو ربّ العالمین ہے، اللہ تعالیٰ ﷻ ارشاد فرمائے گا: کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے اسے پانی نہ پلایا، کیا تجھے معلوم نہ تھا کہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو اس (کے ثواب) کو میرے پاس پالیتا۔

(صحیح مسلم، باب فضل عیادۃ المریض، رقم ۶۵۵۶)

﴿21﴾ امام طبرانی علیہ الرحمہ "معجم اوسط" میں حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا (اللہ تعالیٰ ﷻ کے نزدیک) کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اِدْخَالُ السُّرُوْرِ عَلٰى مُؤْمِنٍ مِنْ شِبْعَةِ جُوْعِهِ أَوْ كِسْوَةِ عَوْرَتِهِ أَوْ قَضَيْتَ حَاجَتَهُ "

کسی بندہ مومن کو خوش کرنا بایں طور کہ اسے بھوک کے وقت شکم سیر کردے یا پردہ پوشی کیلئے لباس پہنادے یا اس کی کوئی حاجت پوری کردے (جس سے وہ خوش ہوجائے)۔

(الترغیب والترہیب للمنذری، باب اطعام الطعام، رقم ۱۳۶۴)

یہ آیات واحادیث مذکورہ تمام کی تمام مسلمانوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دلانے والی ہیں اور بے شک کھانا کھلانے والا جلیل جل جلالہ کے عظیم ثواب کا مستحق ہوتا ہے اس لیے کھانا کھلانے سے انکار کرنے والوں کی جانب کوئی توجہ ہی نہیں کی جائے گی۔

میت کی طرف سے صدقہ کرنا اور کھانا کھلانا
نیز مؤمنین کی روحوں کا اپنے گھروں میں آنا

پس اگر کوئی کہنے والا کہے کہ انکار کرنے والا شخص اس وجہ سے انکار کر رہا ہے کہ یہ کھانا جو میت کی طرف سے کھلایا جا رہا ہے بھلا اس کے جواز پر کون سی شرعی دلیل ہے؟

﴿جواب﴾ ہم کہیں گے کہ اس بنیاد پر تو انکار کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں بنتی کیونکہ امام غزالی علیہ الرحمہ نے ''احیاء العلوم'' میں حضور نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بیشک مومنین کی روحیں ہر شب جمعہ اور روز جمعہ آتی ہیں اور اپنے اپنے گھروں کے باہر کھڑی ہو جاتی ہیں پھر ان میں سے ہر ایک غم زدہ آواز میں پکارتی ہے، اے میرے گھر والو! اے میرے بچو! اے میرے رشتے دارو! اللہ تعالیٰ ﷻ تم پر رحم فرمائے ہم پر صدقہ و دعا کے ذریعے مہربانی کرو، ہمیں بھی یاد رکھو، ہمیں بھول مت جاؤ، ہماری مشکل گھڑی میں ہم پر رحم کرو، ان میں سے ہر ایک اسی طرح روتے ہوئے غم زدہ حالت میں پکارتی رہتی ہے حتی کہ خطیب جمعہ کا خطبہ دینے لگتا ہے۔

''جواھر القلوب'' میں ''مصابیح'' سے روایت نقل کی گئی ہے:

بیشک مردے کی روح شب جمعہ اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ کیا کسی نے اس کیلئے کچھ صدقہ کیا ہے یا اسے کسی بھلائی کے ساتھ یاد کیا ہے پس وہ صبح تک وہیں رہتی ہے پھر اگر کسی شئی کو بھی نہیں پاتی تو نامراد واپس لوٹ جاتی ہے۔

''دستور القضاۃ'' میں مذکور ہے:

مومنین کی روحیں ہر شب جمعہ آتی ہیں اور اپنے گھروں کے باہر کھڑی ہو جاتی ہیں پھر ان میں سے ہر ایک غمزدہ آواز میں پکارتی ہے، اے میرے گھر والو! اے رشتہ دارو! ہم

پر صدقہ و دعا کے ذریعے مہربانی کرو، ہمیں بھی یاد رکھو، بھول مت جاؤ، ہماری مشکل گھڑی میں ہم پر رحم کرو۔ اس تنگ قبر اور سخت قید خانے میں ہمارے سہارے کے لیے کوئی نہیں ہے جبکہ غم طویل اور محتاجی و بے بسی حد سے زیادہ ہے۔

یہ مال جو اب تمہارے ہاتھوں میں ہے کبھی ہمارے ہاتھوں میں ہوا کرتا تھا اگر ہم نے اسے اللہ تعالیٰ ﷻ کی اطاعت میں صرف کیا ہوتا تو آج اس مال میں سے تم سے کسی چیز کا سوال نہ کرتے، کہ اب تم لوگ تو کھا پی رہے ہو اور ہم عذاب و حساب میں مبتلا ہیں، پس یہ کہتے ہوئے وہ ارواح غم زدہ حالت میں روتی ہوئی لوٹ جاتی ہیں اور پھر ان میں سے ہر ایک اس غمزدگی کے عالم میں بارگاہ الٰہی میں فریاد کرتی ہیں۔

اے اللہ! انہیں اپنی رحمت سے اُسی طرح مایوس رکھنا جیسا کہ انہوں نے ہمیں دعا اور صدقہ سے مایوس رکھا ہے۔

''کنز العباد'' میں حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

جب جمعہ یا عید یا عاشوراء کا دن یا شعبان کی پندرہویں شب آتی ہے تو تمام روحیں آ کر اپنے اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہو جاتی ہیں اور کہتی ہیں۔ اے ہمارے گھر میں سکون سے رہنے والو! کیا تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو ہماری بے بسی میں ہمیں یاد کرتا ہو، اے ہمارے کشادہ گھروں میں ڈیرے ڈالنے والو! ہم تو قبر کی گہرائیوں میں ہیں، اے ہماری عورتوں سے نکاح کر لینے والو! کیا تم میں سے کوئی ہے جو ہماری بے بسی اور محتاجی میں ہمیں یاد کرتا ہو، ہماری بساط تو لپیٹ دی گئی (یعنی ہم تو مر چکے) لیکن تمہاری زندگی ابھی باقی ہے (اسے غنیمت جانو اور اچھے اعمال کرو)۔

﴿22﴾ **''جمع الجوامع''** میں حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" مَا الْمَيِّتُ فِيْ الْقَبْرِ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ اِبْنٍ أَوْ صَدِيْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ عَلٰى أَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدِيَةَ الْأَحْيَاءِ اِلَى الْأَمْوَاتِ الاسْتِغْفَارُ لَهُمْ "

ترجمہ: میت قبر میں اس ڈوبنے والے شخص کی مثل ہوتی ہے جو ڈوبتے ہوئے (آخری سہارے کی تلاش میں) پکار رہا ہوتا ہے، یہ (میت) اپنے والد، والدہ، بھائی، بہن اور دوست وغیرہ کی طرف سے دعاؤں (اورصدقات) کی منتظر ہوتی ہے، پس اگر اسے اُن میں سے کسی کی طرف سے کچھ مل جاتا ہے تو اُس کے نزدیک یہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ﷻ زمیں والوں (زندوں) کی دعاؤں کو اہل قبور پر پہاڑ کی طرح کر کے داخل فرماتا ہے، (یعنی اُن کا ثواب بڑھا دیتا ہے) اور زندوں کا مردوں کے لیے (بہترین) تحفہ اُن کے لیے استغفار کرنا ہے۔

(جمع الجوامع، ۶/ ۲۵۷، رقم ۱۸۹۵۹، شعب الایمان للبیہقی، ۶/ ۲۰۳، مشکوۃ المصابیح، رقم، ۲۳۵۵)

"کنز العباد" میں کتاب الشرعہ سے منقول ہے:

مرنے والے کی طرف سے مرنے کے بعد سے سات دن تک صدقہ وخیرات کرنا" مستحب" ہے۔

"**التجنیس**" کی کتاب الصلوۃ کی پانچویں فصل میں مذکور ہے:

اگر کوئی اس لیے نماز پڑھے یا روزہ رکھے یا غلام آزاد کرے یا کوئی اور نیکی و بھلائی کا کام کرے تاکہ اس کا ثواب میت کو ملے، تو ایسا کرنا بلا شبہ جائز ہے اور میت کو اس کا ثواب بھی پہنچتا ہے، ایسی نیت قابل اعتبار ہے اور ایصال ثواب کے لیے ایسے اعمال کیے جاسکتے ہیں۔

میں (امام عابد سندھی) کہتا ہوں:

اس مسئلے کی تائید حضرت امام بخاری و مسلم کی سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کرنے کے لیے دریافت کیا، کہ وہ اچانک انتقال کر گئیں اور کوئی وصیت بھی نہ کر سکیں تو اگر میں اُن کی طرف سے کوئی صدقہ کروں تو کیا انہیں اس کا کوئی فائدہ ہوگا؟

"تو حضور ﷺ نے انہیں ان کی طرف سے صدقہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا"

اور اس کے علاوہ بھی جو دیگر ارشادات (مختلف روایات میں) فرمائے ان تمام کا ماحصل یہ ہے کہ اس صدقے سے ان کو نفع ملے گا۔ پھر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے "مِخْرَافْ" نامی باغ صدقہ کیا۔

جبکہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ کنواں کھودیں اور ان کی طرف سے پانی کا صدقہ کریں۔

نیز ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنی والدہ کی طرف سے غلام آزاد کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے انہیں آزاد کرنے کے بارے میں حکم ارشاد فرمایا۔

"**شرح النقایہ**" کے "مسائل شتیٰ" میں منقول ہے:

اگر کسی شخص نے میت کے ایصال ثواب کی غرض سے کوئی نیکی و بھلائی کا عمل کیا یا نماز پڑھی یا صدقہ کیا تو ایسا کرنا بلاشبہ جائز ہے اور میت کو اس کا ثواب بھی ملے گا۔

"**الواقعات**" میں مذکور ہے:

اگر کوئی شخص میت کی طرف سے صدقہ کرتا ہے یا اس کے لیے دعائے خیر کرتا ہے تو میت کو اس کا ثواب ملتا ہے کیونکہ احادیث مبارکہ میں موجود ہے کہ اگر کوئی زندہ کسی میت کی

طرف سے صدقہ کرے یا اس کے لیے دعا کرے، تو (یہ اعمال) میت کے سامنے ایک نورانی طشت میں رکھ کر پیش کیے جاتے ہیں۔

اسی وجہ سے اہل مدینہ نے (ایصال ثواب کے خصوصی اہتمام کے لیے) بعض دنوں کی بھی تعیین کر رکھی ہے اور مسلمانوں میں سے کسی ایک نے بھی ان مقررہ دنوں میں صدقہ و خیرات اور کھانا وغیرہ کھلانے کے اہتمام پر انکار واعتراض نہیں کیا ہے اور اگر کسی نے انکار کیا بھی ہے تو اس کی جانب سے توجہ نہیں کی گئی ہے کیونکہ اس کا انکار اہل مدینہ کے (مجموعی) معمول کے خلاف ہے اور (مجموعی عمل دراصل) اجماع کی ایک صورت ہے، اس لیے اس بارے میں کسی مسلمان کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔

پیدائش اور وصال کے موقعوں پر
صدقہ وخیرات کرنا اور کھانا کھلانا

پس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ماقبل آپ نے جو باتیں (اور دلائل) بیان کیے ہیں اُن کا مقصد تو میت کی طرف سے صدقہ وخیرات کرنا اور کھانا کھلانا ہے (تاکہ میت کو اس کا ثواب پہنچے) لیکن یوم پیدائش اور انتقال سے اس کی کیا نسبت؟ جبکہ سائل کا سوال تو اسی بنیاد پر تھا؟

﴿جواب﴾ میں (امام عابد سندھی) کہتا ہوں: امام زرقانی علیہ الرحمہ نے "شرح مواہب لدنیہ" میں حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

میرے نزدیک (میلاد النبی ﷺ منانے کے لیے) بنیادی دلیل وہ روایت ہے جسے "صحیحین" (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں روایت کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو عاشوراء کے دن روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو اُن سے پوچھا، ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کی، اس دن اللہ تعالیٰ ﷻ نے فرعون کو

(دریائے نیل میں) غرق کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُس سے نجات دی، تو ہم لوگ اللہ تعالیٰ ﷻ کی بارگاہ میں شکر بجالانے کے لیے اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔

﴿23﴾ تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"فَنَحْنُ أَحَقُّ بِمُوسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ"

ہم لوگ تم سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق دار ہیں پھر آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

(صحیح بخاری، باب صوم عاشوراء، رقم ۳۳۹۷، صحیح مسلم، باب صوم عاشوراء، رقم ۲۶۵۶)

(اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا) کہ اللہ تعالیٰ ﷻ کی طرف سے کسی احسان وانعام کے ملنے والے مخصوص دن پر اس کا شکر بجالایا جائے، لہٰذا کون سی نعمت نبی رحمت ﷺ کی ولادت وجلوہ گری سے بڑھ کر ہو سکتی ہے!

اسی لیے (ولادت اقدس) کے دن اللہ تعالیٰ ﷻ کا شکر سجدہ، روزہ، صدقہ اور تلاوت قرآن ودیگر عبادات کے ذریعے ادا کیا جا سکتا ہے اور اس بارے میں مجھ سے قبل حافظ ابن رجب نے (لطائف المعارف میں) اس پر (مفصل کلام) کیا ہے۔

امام سیوطی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

﴿24﴾ (یوم میلاد النبی منانے کے حوالے سے) ایک اور دلیل جو مجھ پر ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے جسے امام بیہقی نے حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

"اِنَّهُ ﷺ عَقَّ عَنْ نَفْسِهِ [بَعْدَ النُّبُوَّةِ]

ترجمہ: حضور ﷺ نے اعلانِ نبوت کے بعد خود اپنا عقیقہ فرمایا۔

(سنن کبریٰ للبیہقی، ۱۴/۲۵۳، رقم ۱۹۸۱۳، معجم اوسط للطبرانی، رقم ۹۹۳، مسند بزار، ۲/۷۴)

اور (شرعی مسئلہ یہ ہے کہ) عقیقہ دوبارہ نہیں کیا جاتا حالانکہ آپ ﷺ کے بچپن ہی میں (پیدائش کے ساتویں دن) آپ کے دادا عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے عقیقہ کر دیا تھا (لیکن

آپ ﷺ کا خود دوبارہ عقیقہ ادا کرنا) اس بات محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ نے (اپنی ولادت کے) شکرانہ کے طور پر اسے دوبارہ کیا تھا۔

اسی طرح ہمارے لیے بھی مستحب ہے کہ ہم بھی آپ ﷺ کی ولادت اقدس کے دن خوشیوں کا اظہار کریں، لوگوں کو جمع کریں، کھانا کھلائیں اور اس طرح کے دیگر نیکی والے کام کرتے ہوئے خوشیاں منائیں۔

علامہ نجم نے اس مذکورہ بالا (عقیقہ والی) حدیث کو منکر شمار کیا ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ان کے قول کو بیان کیا ہے بلکہ انہوں نے تو ''شرح مہذب'' میں لکھا ہے:

حدیث ''اِنَّهُ ﷺ عَقَّ عَنْ نَفْسِهِ'' باطل ہے، تو ایسی صورت میں (امام سیوطی کا) اسے دلیل بنانا درست نہیں ہوگا۔

میں (امام عابد سندھی) کہتا ہوں:

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں منقول ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ ابو لہب کو مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کیا حال ہے؟

اس نے کہا آگ میں جل رہا ہوں لیکن ہر پیر کی رات اس عذاب میں کچھ کمی کر دی جاتی ہے اور وہ یوں کہ مجھے ان دو انگلیوں کے درمیان سے پانی چوسنے کو ملتا ہے اور اس نے اپنے انگوٹھے کے برابر والی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

جیسا کہ امام عبدالرزاق کی روایت میں موجود ہے اس نے کہا کہ یہ اس وجہ سے تھا کہ میں نے ثویبہ کو حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت کی خبر دینے اور انہیں دودھ پلانے کے صلے میں آزاد کر دیا تھا۔

اس روایت کو امام بخاری (نے اختصار کے ساتھ کتاب النکاح میں) امام عبدالرزاق (نے مصنف میں) اور امام اسماعیلی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن الجزری علیہ الرحمہ نے فرمایا:

حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت مبارکہ کے موقع پر خوشی منانے کے اجر میں اس کافر ابولہب کے عذاب میں کمی کر دی گئی حالانکہ اس کی مذمت میں قرآن پاک کی ایک مکمل سورت نازل ہوئی تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کو ایک ماننے والے اس مسلمان امتی کے اجر و ثواب کا کیا عالم ہوگا جو آپ ﷺ کی ولادت کی خوشیاں مناتا ہے اور آپ ﷺ کی محبت میں اپنی بساط و طاقت کے مطابق صدقہ و خیرات کرتا ہے۔

امام حافظ شمس الدین محمد بن ناصر دمشقی نے مذکورہ بالا ابولہب کے واقعے کے بارے میں یہ اشعار کہے:

اِذَا كَانَ هٰذَا كَافِراً جَاءَ ذَمُّهُ
وَتَبَّتْ يَدَاهُ فِيْ الْجَحِيْمِ مُخَلَّداً
أَتٰى أَنَّهُ فِيْ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ دَائِماً
يُخَفَّفُ عَنْهُ لِلسُّرُوْرِ بِأَحْمَدَا
فَمَا الظَّنُّ بِالْعَبْدِ الَّذِيْ كَانَ عُمْرُهُ
بِأَحْمَدَ مَسْرُوْراً وَمَاتَ مُوَحِّداً

ترجمہ: جب ابولہب جیسے کافر کے لیے ''جس کی مذمت قرآن حکیم میں بیان کی گئی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں (عذاب کی وجہ سے) اس کے ہاتھ ٹوٹتے رہیں گے'' کو حضور نبی کریم ﷺ کے میلاد کی خوشی منانے کی وجہ سے ہر پیر کے دن عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے تو کتنا خوش نصیب ہوگا وہ مسلمان، جس کی ساری زندگی میلاد النبی کی خوشیوں میں گزری اور وہ حالت ایمان پر اس دنیا سے رخصت ہوا۔

خدا کی قسم! ایسے مسلمان کی جزا یہ ہے کہ اللہ کریم جل جلالہ ایسے بندے کو اپنے فضل عمیم سے جنت میں داخل فرمائے گا۔

اور ہمیشہ سے اہل اسلام حضور نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے مہینے میں میلاد کی محافل منعقد کرتے آئے ہیں وہ اس مہینے میں دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور اس مہینے کی راتوں میں صدقات وخیرات کی مختلف صورتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اظہار مسرت اور نیکی کے کاموں میں کثرت کیا کرتے ہیں اور میلاد النبی (کے واقعات وفضائل) بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر اس کی برکات اور فضل عظیم کا نزول ہوتا ہے۔

محافل میلاد کے مجربات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس سال میلاد منایا جائے تو اس سال امن قائم رہتا ہے نیز (محفل میلاد) نیک مقاصد اور دلی خواہشات کی فوری تکمیل کیلئے بشارت ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ ﷻ ایسے شخص پر رحم فرمائے جس نے اس مقدس مہینے کی راتوں کو بھی عید کی طرح مناکر اس شخص کے لیے قیامت قائم کردی جس کے دل میں اسے منانے سے مرض تھا۔

(یہاں تک وہ کلام مذکور ہے جو کہ) امام ابن الجزری علیہ الرحمہ (نے اپنی کتاب "عرف التعریف بالمولد الشریف" میں) ذکر کیا۔

سب سے پہلے جس شخص نے (باقاعدہ محافل) میلاد کا آغاز کیا اس کا نام مظفر ابوسعید تھا یہ "اربل" کا بادشاہ گزرا ہے، امام ابن کثیر علیہ الرحمہ نے اپنی "تاریخ" (البدایہ والنہایہ) میں لکھا ہے:

وہ (بادشاہ مظفر ابوسعید) ماہ ربیع الاوّل میں میلاد کا اہتمام کرتا اور اس سلسلے میں عظیم الشان محفل کا انعقاد کرتا تھا، ان تمام باتوں کے علاوہ وہ بہادر، دلیر، حملہ آور، جری، دانا، عالم اور عادل شخص تھا، اللہ تعالیٰ ﷻ اس پر رحمت نازل فرمائے اور اسے بلند مرتبہ عطا فرمائے، اس کی بادشاہت کا دور طویل رہا حتی کہ شہر "عکا" کے محاصرے کے دوران جب اس نے فرنگیوں کے گرد گھیرا ڈال رکھا تھا، اس کی وفات ہوئی اور یہ 630ھ کا زمانہ تھا۔

سبط ابن الجوزی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "مرآۃ الزمان" میں لکھا ہے:

بعض لوگوں نے بیان کیا کہ سلطان مظفر کے منعقدہ میلاد کے موقع پر جو شاہی دستر خوان بچھایا جاتا اس میں پانچ ہزار بھنے ہوئے بکروں کی سریاں، دس ہزار مرغ، ایک سو گھوڑے، ایک لاکھ مٹی کے پیالے (مکھن سے بھرے ہوئے) اور تیس ہزار شیریں اقسام کے کھانے شامل ہوتے تھے، سلطان کی دعوت میں بڑے بڑے صوفیائے کرام اور علمائے کرام تشریف لاتے اور سلطان انہیں اعزاز واکرام سے نوازتا، اس مجلس میں بخور سلگایا جاتا، سلطان ہر سال محفل میلاد پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔

یہاں تک وہ کلام ہے جسے ہم نے مواہب لدنیہ اور اس کی شرح (زرقانی) سے اخذ کیا ہے۔

میں (امام عابد سندھی) نے اپنے دادا (شیخ الاسلام محمد مراد انصاری علیہ الرحمہ) کے "فتاویٰ" میں فارسی زبان میں لکھی ہوئی عبارت دیکھی، جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ **"کتاب الشمالی"** میں مذکور ہے:

علمائے کرام نے اس بارے میں قدرے اختلاف کیا ہے کہ کیا اس (میلاد النبی والے) دن رُوح محمدی ﷺ کو ثواب کا تحفہ نذر کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

تو اس کے جواب میں بعض علمائے کرام نے ارشاد فرمایا:

ایسا تحفہ نذر نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں بے ادبی کا اندیشہ ہے اور حضور ﷺ (کو تو اُمتی کے ثواب) کی ضرورت نہیں ہے۔

جبکہ بعض دیگر علمائے کرام نے ارشاد فرمایا:

ضرور (بارگاہ رسالت ﷺ) میں ایسا نذرانہ پیش کیا جائے گا، چاہے قلیل ہو یا کثیر، کیونکہ نبی ہو یا ولی ہر ایک اللہ تعالیٰ ﷻ کی رحمت کا محتاج ہے اور اس کی رحمت سے کسی کو استغناء حاصل نہیں۔

" يَوْمَ مَوْلِدِهِ ﷺ ذَبَحَ أَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيْقُ مِائَةَ نَاقَةٍ وَتَصَدَّقَ بِهَا "

میلاد النبی ﷺ کے دن حضرت سیدنا ابو بکر صدیق ؓ نے سو اونٹ ذبح کر کے صدقہ کیے۔

" تَصَدَّقَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ فِيْ ذَلِكَ بِثَلَاثَةِ أَقْرَاصٍ مِنْ شَعِيْرٍ "

اسی طرح حضرت سیدنا ابو ہریرہ ؓ نے (میلاد النبی ﷺ کے دن) تین بڑے برتن گندم سے بھر کر صدقہ کیے۔

پس امام زرقانی علیہ الرحمہ کا بادشاہ ابوسعید مظفر کو (میلاد النبی کی باقاعدہ خوشیاں منانے والوں میں سے) سب سے اول قرار دینے کا مطلب قرونِ ثلاثہ کے بعد سب سے پہلا ہوگا اگر میرے دادا (شیخ الاسلام محمد مراد انصاری علیہ الرحمہ) کی لکھی ہوئی تحریر درست ثابت ہو جائے۔

نیز میرے دادا نے ایک ایسے رسالے سے نقل کیا ہے جس کے (اصلی) نام اور لکھنے والے کے نام سے وہ آگاہ نہیں تھے، البتہ وہ رسالہ لوگوں کے درمیان **"مولد النبی"** کے نام سے معروف تھا (الدر المنظم فی بیان حکم مولد الاعظم للشیخ عبدالحق الہ آبادی کے صفحہ ۱۰۱ پر بھی یہ واقعہ موجود ہے):

بغداد یا مصر میں ایک شخص تھا جو ہر سال میلاد النبی منانے کے لیے اہتمام کرتا تھا اور لوگوں کو تلاوت قرآن پاک کیلئے یکجا کرتا تھا تا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی برکات نصیب ہوں، اس کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا، ایک مرتبہ اُس یہودی کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ ہمارے اس مسلمان پڑوسی کو کیا ہو جاتا ہے کہ اچانک بیش قیمت مال اور دولت فقراء و مساکین پر خرچ کرنے لگتا ہے اور انہیں مختلف اقسام کے کھانے کھلانے لگتا ہے اور یہ ایسا صرف سال کے اسی مہینے میں کرتا ہے بقیہ مہینوں میں نہیں کرتا بھلا اس کی کیا وجہ ہے؟

تو اس کے شوہر نے کہا! وہ اس لیے ایسا کرتا ہے کہ اس کے نبی ﷺ اس مہینے میں پیدا ہوئے تھے تو وہ ان کی تعظیم کی خاطر ایسا کیا کرتا ہے۔

یہ باتیں کرتے ہوئے دونوں میاں بیوی سو گئے، دریں حال کہ اس یہودی کی بیوی کے دل میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کا شوق موجزن ہو چکا تھا پس اس نے خوب میں ایسی ہستی کو دیکھا جو بہت حسین وخوبصورت چہرے والی اور نورانی شخصیت تھی اور وہ ہستی ان کے مسلمان پڑوسی کے گھر داخل ہو رہی تھی نیز اس ہستی کے اردگرد ستاروں کی طرح چمکتی دمکتی ایک نورانی جماعت بھی تھی اور وہ جماعت اس ہستی کی بہت زیادہ تعظیم کر رہی تھی۔

اس نے یہ منظر دیکھتے ہوئے ان میں سے ایک شخص سے پوچھا: یہ حسین چہرے والی نورانی ہستی کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ محمد مختار ﷺ ہیں اور یہ تیرے مسلمان پڑوسی سے خوش ہو کر اس سے ملاقات کیلئے تشریف لائے ہیں۔

اس یہودی عورت نے کہا: اگر میں ان سے کچھ بات کرنا چاہوں تو کیا یہ مجھ سے بات کریں گے؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ ہاں! کیوں نہیں، بے شک آپ ﷺ تکبر کرنے والے اور سخت دل نہیں ہیں۔

یہ سنتے ہی وہ یہودی عورت اسی ہستی کے قریب ہوئی اور عرض کرنے لگی اے محمد! تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں اے اللہ ﷻ کی بندی! وہ عورت یہ جواب سنتے ہی رونے لگی اور عرض کی: اے اللہ ﷻ کے رسول! کیا آپ نے میری پکار کی طرح مجھے عزت والے خطاب سے نوازا ہے حالانکہ میں تو آپ کے دین پر نہیں ہوں بلکہ آپ کے دشمنوں میں سے ہوں؟

تو رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اس ذات کی قسم! جس نے مجھے نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، میں نے تمہیں اس وقت تک

جواب نہیں دیا تک کہ میں نے یہ جان نہ لیا کہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے تجھے ہدایت دے دی ہے:

تو اس نے عرض کی: بیشک آپ کریم نبی ﷺ ہیں اور آپ کے اخلاق بہت بلند و بالا ہیں، لہٰذا جس نے بھی آپ ﷺ کے حکم سے روگردانی کی وہ ہلاک ہوا اور جس نے آپ ﷺ کی قدر و منزلت نہ جانی، وہ خسارے میں رہا۔

آپ ﷺ اپنا دست اقدس بڑھائیں، بے شک میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ﷻ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ ﷻ کے رسول ہیں۔

پھر اچانک وہ خواب سے بیدار ہوگئی لیکن وہ اس خواب سے بڑی شادمان و مسرور تھی کہ اس نے دو جہانوں کے سردار ﷺ کی زیارت کر لی ہے اور دین اسلام میں داخل ہو چکی ہے تو اس نے اپنے دل میں ارادہ کر لیا کہ صبح ہوتے ہی اپنی ملکیت میں جو بھی مال و دولت ہے، وہ سب صدقہ کر دے گی اور اپنے اسلام لانے کی خوشی میں میلاد النبی کی محفل سجائے گی اور خواب میں جمال جہاں آراء ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونے کا شکر ادا کرے گی۔

لیکن جب صبح ہوئی تو اس نے دیکھا کہ اس کا شوہر ایک بڑی دعوت کا اہتمام کر رہا ہے اور بلند و بالا عزم کے ساتھ اپنی آستینوں کو اُوپر کیے ہوئے دیگوں کو آگ پر چڑھا کر خود ہی پکانے میں مصروف ہے اور اس پر خوشی و مسرت کے آثار نمایاں نظر آ رہے ہیں۔

تو اس کی بیوی نے کہا کہ اتنی بڑی و اچھی دعوت کے اہتمام کا اچانک کیا مقصد ہے؟

تو اس کے شوہر نے کہا کہ تمہارے اُن کے ہاتھوں پر اسلام لانے کی خوشی میں اس دعوت کا اہتمام کر رہا ہوں۔

اس کی بیوی کہنے لگی، تمہیں اس پوشیدہ و سربستہ راز پر کس نے مطلع کیا؟ تو اس نے کہا تمہارے بعد میں نے بھی اُن کے دست اقدس پر اسلام قبول کر لیا تھا۔

اس کی بیوی نے کہا اللہ تعالیٰ ﷻ کا شکر ہے جس نے حضور ﷺ کی برکت سے مجھے اور تمہیں دین اسلام پر جمع کیا اور کفر و ظلمت سے بچا لیا۔

پیدائش اور وفات کے دنوں کو معین کرنا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اپنی کتاب ”مَا ثَبَتَ مِنَ السُّنَّةِ فِي أَيَّامِ السَّنَةِ“ میں لکھتے ہیں:

اگر تم یہ کہو کہ ہمارے ملک میں جو مشائخ کرام کی وفات کے دنوں میں عرس کا رواج ہے کیا اس کی کوئی اصل بھی موجود ہے اگر تمہارے پاس اس بارے میں کوئی معلومات ہے تو بیان کرو؟

تو میں ایسوں کیلئے جواباً کہتا ہوں کہ میں نے اس بارے میں اپنے شیخ امام عبد الوہاب متقی حنفی مکی علیہ الرحمہ سے سوال کیا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

یہ ہمارے مشائخ کے طریقے اور اُن کی عادتیں ہیں اور اس بارے میں ان کی کچھ نیک نیتیں ہیں، تو میں نے عرض کی: بھلا تمام دنوں کو چھوڑ کر صرف انہیں دنوں کو خاص کرنے کا کیا مقصد؟

تو آپ نے فرمایا: کہ ضیافت (مہمان نوازی) مطلق سنت ہے، لہٰذا دنوں کے معین کرنے سے صرف نظر کیا جائے گا (یعنی اس کی اجازت ہوگی) اور شریعت مقدسہ میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں، مثلاً مصافحہ کرنا، بعض مشائخ کرام ہر نماز کے بعد مصافحہ کرتے ہیں، اسی طرح یوم عاشوراء کو سرمہ لگانا حالانکہ سرمہ لگانا تو ویسے بھی مطلقاً سنت ہے اور کسی دن سے خاص کرنا یہ ایک نئی بات ہے۔ اس کے بعد مزید فرمایا:

بعض ملک مغرب کے مشائخ کرام نے ارشاد فرمایا، جس دن ان (اولیاء اللہ) کا وصال ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ ﷻ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اس دن میں دیگر دنوں کی نسبت خیر

وبرکت اور نورانیت کا امیدوار ہونا زیادہ بہتر ہے۔

پھر آپ (شیخ عبدالوہاب متقی) نے سر جھکایا اور کچھ دیر بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ اگرچہ متقدمین (سلف صالحین) کے یہاں یہ باتیں نہ تھیں لیکن متأخرین نے ان اچھی باتوں کو اپنا لیا ہے۔

میں (امام عابد سندھی) کہتا ہوں:

میلاد النبی ﷺ کے دن حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سو اونٹوں کو ذبح کر کے صدقہ کیا اور حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تین برتن بھر کر صدقہ کیے، جیسا کہ ہم نے ماقبل یہ روایات ذکر کہیں تو یہ (میلاد النبی کا دن یعنی 12 ربیع الاول ایک قول کے مطابق) آپ ﷺ کی وفات کا بھی دن ہے، لہٰذا اگر یہ بات (مذکورہ روایات) درست ہیں، تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شیخ عبدالوہاب متقی سے جو یہ بات نقل کی ہے کہ ''سلف صالحین کے زمانے میں یہ اُمور نہیں تھے'' کا ردّ خود بخود ہو جائے گا۔

بدعت اور اس کی اقسام

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تمام باتیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایات کے صحیح ثابت ہونے پر موقوف ہیں لیکن اگر بالفرض وہ روایات صحیح ثابت نہ ہوئیں تو پھر یہ اُمور بدعت قرار پائیں گے جس سے تین ابتدائی صدیاں خالی تھیں اور بدعت سے تو ہمیں بچنے کا حکم دیا گیا ہے؟

میں (امام عابد سندھی) کہتا ہوں:

کہ علمائے کرام نے بدعت کو پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

(1) واجب جیسا کہ علوم کی تدوین کرنا۔

(2) مستحب جیسا کہ مدارس اور سرائیں تعمیر کرنا۔

(3) حرام جیسا کہ ٹیکس لگانا۔

(4) مکروہ جیسا کہ مساجد کی تزئین وآرائش کرنا۔

(5) مباح جیسا کہ مزید کھانے پینے میں کثرت کرنا۔

اور تم پر یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ صرف بدعت کے لفظ و نام کے کسی شئی کے لیے استعمال ہونے سے وہ شئی قابل مذمت قرار نہیں پائے گی جیسا کے لفظ ''محدث'' کا معاملہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس حدیث کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے ایسا گمان کیا کہ '' كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ '' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ :(سورۃ الاحقاف۴۶،آیت۹)

ترجمہ: تم فرماؤ میں کوئی انوکھا رسول نہیں۔

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ:(سورۃ الشعراء۲۶،آیت۵)

ترجمہ: اور نہیں آتی ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت۔

اور درحقیقت (بدعت) اُس صورت میں قابل مذمت ہے جب اس سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور اس کا رسول ﷺ راضی نہ ہو (اور وہ بدعت حسنہ نہیں بلکہ بدعت سیئہ ہے)۔

﴿25﴾ اور امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث کا عموم بھی اسی کا تقاضہ کر رہا ہے نیز اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

'' مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً لا يَرْضَاهَا اللّٰهُ تَعَالَى وَرَسُولُهُ ﷺ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا ''

جس شخص نے بھی کسی ایسی بری بدعت کی ابتداء کی جس سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور اس کا رسول راضی نہ ہو تو اس (بدعت ضلالہ کی ابتداء کرنے والے) پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بھی بوجھ ہوگا جو اس پر عمل کرتے رہیں گے۔

(سنن ترمذی، رقم ۲۶۷۷، سنن ابن ماجہ، رقم ۲۱۰، معجم اوسط للطبرانی، رقم ۶۰۹)

﴿26﴾ بخاری ومسلم کی ذکر کردہ روایت بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ"

جس کسی نے بھی ہمارے دین میں کسی ایسی بات کو ایجاد کیا جو اس میں نہیں تو وہ مردود ہے (یعنی اس عمل کو رد کردیا جائے گا)۔

(صحیح بخاری، رقم ۲۶۹۷، صحیح مسلم، رقم ۱۷۱۸، مسند احمد، رقم ۲۶۰۳۳)

(اس حدیث کا وہ مطلب نہیں جو کہ مخالفین نے سمجھا بلکہ) اس حدیث مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ جس نے کسی ایسی شئی کی بنیاد ڈالی جو کہ قواعد واُصول اسلامیہ کے مطابق ہو تو وہ نئی بات بھی قابل قبول ہوگی۔

﴿27﴾ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا"

جس کسی نے کوئی اچھا عمل جاری کیا تو اسے اپنا اور اس پر عمل کرنے والوں کا بھی اجر دیا جائے گا، اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

(صحیح مسلم، رقم ۱۰۱۷، مسند احمد، رقم ۱۹۲۰۲، صحیح ابن خزیمہ، رقم ۲۴۷۷)

حدیث میں لفظ (مَــنْ) عموم کا تقاضہ کررہا ہے، لہٰذا یہ سلف صالحین کے ساتھ خاص نہیں ہوگا بلکہ اس میں سلف صالحین اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے علمائے کرام سب شامل ہیں۔

اسی لیے اہل علم حضرات کے وہ اعمال وافعال جو کتاب وسنت کی نصوص کے مخالف نہ ہوں اور ان ائمہ کرام نے اپنے استدلال واستنباط سے انہیں اخذ کیا ہو، تو ان پر انکار نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کی حیثیت لائق تحسین اعمال کی سی ہوگی اور لوگوں کو ان کے اعمال کی اتباع کرنے کا پابند کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے قرآن پاک میں اُن

راسخین علماء کی جو اِس کے حضور رجوع کرنے والے ہیں کی اتباع کا حکم فرمایا:

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ :(سورہ لقمان ۳۱، آیت ۱۵)

ترجمہ: اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

نیز حدیث موقوف جو ایک دوسرے ذریعے سے مرفوعاً بھی مروی ہے اس میں مذکور ہے:

مَا رَآهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ

ترجمہ: جو مسلمانوں کے نزدیک پسندیدہ ہے وہ اللہ ﷻ کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ جس بدعت سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے مراد ایسی بدعت ہے جس پر (شرعی) انکار اور اعتراض لازم آئے ہر بدعت ہرگز مراد نہیں۔

(اور کن بدعات سے بچا جائے) ان کے بارے میں تفصیلی کلام شروحات حدیث کی بڑی کتابوں میں مذکور ومسطور ہے، سوال کے بارے میں میرے (ذہن میں جو علم متحضر تھا) اسے بیان کردیا ہے اور اللہ تعالیٰ ﷻ ہی سب سے بہتر جاننے والا ہے۔

یہ وہ کلام ہے جسے کہا اور اپنے قلم سے لکھا محمد عابد بن شیخ مرحوم احمد علی بن محمد مراد بن یعقوب بن محمود سندی مولداً انصاری ایوبی خزرجی نسباً اور نقشبندی طریقۃً نے، اللہ تعالیٰ ﷻ میری اور میرے اسلاف ومشائخ کی مغفرت فرمائے اور تمام سے ایسا راضی ہو کہ اس کے بعد کبھی ناراض نہ ہو: آمین۔

اسے ذی الحجہ ۱۲۲۸ھ کو "وادیٔ خلیص ماط" میں لکھا گیا۔

تمت



کرامات الاولیاء

و الصالحین و التصدیق بہا

﴿تالیف﴾

شیخ الاسلام، الامام الکبیر

شیخ محمد عابد السندی الانصاری

رئیس علماء المدینة المنورة فی عصرہ المتوفیٰ ۱۳۵۷ھ

﴿ترجمہ﴾

خلیفہ مفسر اعظم پاکستان

علامہ مفتی اعجاز احمد قادری اویسی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین
و الصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین
وخاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ ہداۃ الدین

حمد وصلوٰۃ کے بعد محمد عابد بن شیخ احمد علی انصاری خزرجی ایوبی نسباً سندی مولداً عرض کرتا ہے کہ مجھ سے کچھ ایسے افراد نے بایں الفاظ سوال کیا جن سے انکار کی مجھے مجال نہیں:

﴿ سوال ﴾

کیا اولیائے کرام کی کرامات کا وقوع جائز ہے؟ اور کیا اس کرامت کی تصدیق کرنا واجب ہے یا جائز؟ خواہ وہ کرامت حالت حیات میں صادر ہوئی ہو جیسا کہ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے واقعے میں مذکور ہے (جب آپ نے دوران خطبہ مدینہ منورہ سے ''نہاوند'' میں صحابہ کرام کو پکار کر ارشاد فرمایا کہ) اے ساریہ! پہاڑ کی طرف (تو اتنی دُوری سے بھی) ان صحابہ کرام نے آپ کی آواز کو سن لیا۔

اور اسی طرح جب آپ رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کو خط لکھا کہ اگر تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی قدرت سے چلتا ہے (تو جاری ہو جا) لہٰذا جب آپ کا لکھا ہوا خط اس دریا میں ڈالا گیا تو وہ جاری ہو گیا۔

یا وصال فرمانے کے بعد کی کرامت جیسا کہ حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کے وصال فرمانے کے بعد واقعہ ہے اور یہ ان دس افراد میں سے ایک تھے جنہیں حضور نبی کریم ﷺ نے قافلہ کی صورت روانہ فرمایا تھا (ان میں سے سات یا آٹھ افراد نے جام شہادت نوش فرمایا) تو انہیں شہادت پانے والوں میں حضرت سیدنا عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے جب مشرکین کو ان کے شہید ہونے

کی اطلاع ملی تو انہوں نے کچھ لوگوں کو آپ رضی اللہ عنہ کا سر انور لانے کیلئے بھیجا کیونکہ جنگ بدر کے دن آپ رضی اللہ عنہ نے ان مشرکین کے سرداروں کو قتل کیا تھا (تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ان کی کرامت یوں ظاہر فرمائی کہ) شہد کی مکھیوں کا غول بھیج دیا جس نے ہر طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کے جسم شریف کو ڈھانپ لیا اس طرح سے وہ مشرکین آپ کے جسم شریف سے کسی عضو کو نہیں کاٹ سکے۔

کیا جب زندگی میں ایسا معاملہ ظاہر ہو تو اسے ہی کرامت کہیں گے اور وصال کے بعد ظاہر ہونے والے ایسے معاملے کو کرامت نہیں کہیں گے؟ اگر ایسا ہے تو پھر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے لیے وصال کے بعد جو معاملہ ظاہر ہوا اسے کیا کہیں گے؟

ہمیں واضح دلائل کے ذریعہ سے بتائیے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ آپ کو ہر خیر وخوبی سے نوازے۔

وجزاکم اللہ عنہا بما ہو اہلہ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ و سلم تسلیما

﴿ جواب ﴾

اے میرے بھائی! جان لو اللہ تعالیٰ جل جلالہ تم پر اور مجھ پر بھی رحمت نازل فرمائے کہ سائل نے جس بارے میں سوال کیا ہے اس کا تعلق کرامت سے ہے اور کرامت کے بارے میں تفصیل چند ضروری باتوں پر موقوف ہے، جس میں سے اہم یہ ہیں۔

(۱) ولی کا مطلب کیا ہے؟

(۲) کرامت کا مطلب اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

(۳) کرامت اور معجزے کے درمیان کیا فرق ہے؟

(۴) نیز یہ بات جاننا ضروری بھی ہے کہ کرامت کا ثبوت کتاب وسنت سے موجود ہے اور مردہ کی کرامت بھی اسی طرح معتبر ہے جیسا کہ زندہ کی۔

لہٰذا یہاں اب میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی مدد سے اس کلام کی تفصیل بیان کر رہا ہوں بیشک وہی خیر وجود کی توفیق بخشنے والا ہے۔

کرامت، معجزہ، استدراج کی تعریف

اور اِن کے درمیان فرق

جان لو! کرامت سے مراد کسی ایسے شخص سے خلافِ عادت کام کا ظاہر ہونا ہے جو کہ مدعیٔ نبوت نہ ہو اور اس میں ایمان اور اعمال صالح کی شرط ملحوظ ہوگی۔

پس جو کوئی بھی پکار کو سنے یا اللہ تعالیٰ ﷻ اس کے ہاتھوں کسی موجود شی کو معدوم کردے یا معدوم شی کو موجود کردے یا وہ غیبی اُمور میں سے کسی پر مطلع ہو جائے یا وہ دُور دراز کی مسافت کو تھوڑی سے مدت میں طے کرلے یا وہ جانوروں، پودوں اور جمادات وغیرہ کی تسبیحات یا دیگر باتوں کو سن لے یا پانی پر چلنے لگے یا ہوا میں تیرنے لگے یا پھر اسی طرح کے خلاف عادت اُمور سرانجام دے اور وہ مومن وصالح شخص مدعی نبوت نہ ہو تو یہ اُمور اس کے کرامات قرار پائیں گے۔

اور جب یہ اُمور (کسی ایسے شخص سے صادر ہوں) جو مومن اور اعمال صالح کا حامل نہ ہو تو اِسے ''اِسْتِدْرَاجٌ'' اور ''مَکْرٌ'' کہیں گے۔

پس کرامت اور استدراج میں بنیادی فرق یہی ہے کہ **''استدراج''** دراصل فاسق، زندیق اور ان کافروں کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے اُمور کو کہتے ہیں جو کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی شریعت مقدسہ پر نہیں ہوتے، جبکہ **''کرامت''** ان ہی افراد کے ہاتھوں ظاہر ہوتی ہے جو کہ شریعت مقدسہ پر بہت زیادہ عمل پیرا ہوتے ہیں۔

اور **''معجزہ''** سے مراد کسی ایسے شخص سے خلاف عادت اُمور کا ظاہر ہونا جو کہ خیر و بھلائی کی طرف بلاتا ہو اور وہ مدعی نبوت بھی ہو اور اس کے ذریعے سے اپنے رسول اللہ ہونے کی سچائی کا اظہار کرنے والا ہو۔

پس ہماری بیان کردہ تعریف میں '' **مَقْرُوْنَةٌ بِالتَّحَدِّیْ** '' (اس کا دعویٰ بطریق چیلنج ہو) سے وہ خلاف عادت اُمور نکل گئے جو کہ چیلنج کرنے سے قبل اسی ہستی سے ظاہر ہوئے ہوں، کیونکہ نبی علیہ السلام سے اعلان ودعوت نبوت سے قبل بھی تو خلاف عادت اُمور ظاہر ہوا کرتے ہیں تو انہیں **''معجزہ''** نہیں کہیں گے بلکہ **''ارہاص''** کہیں گے یعنی دعوی نبوت کی مبادیات (اور اسے ارہاص اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے جیسا کہ) جب کوئی بندہ دیوار تعمیر کرتے ہوئے پتھر رکھتا جاتا ہے یعنی اس کی بنیادیں بناتا رہتا ہے تو اس کے لیے ارہاص کا فعل استعمال کرتے ہیں، (اسی طرح دعوی نبوت سے قبل نبی علیہ السلام سے ظاہر ہونے والے خلاف عادت اُمور دراصل اس نبی کے دعوی نبوت کی بنیادیں ہوتے ہیں، اس لیے انہیں بھی ارہاص سے تعبیر کرتے ہیں)۔

لہٰذا ایسی صورت میں معجزہ اور کرامت میں فرق بالکل واضح ہے کہ معجزہ نبی کے قصد وارادے اور چیلنج کے طور پر واقع ہوتا ہے جبکہ کرامت اکثر اوقات ولی کے قصد وارادے کے بغیر ہی صادر ہوتی ہے البتہ کبھی کبھی بالارادہ بھی صادر ہو جاتی ہے۔

معجزہ ہمیشہ چیلنج کے طور پر ظاہر ہوتا ہے جبکہ کرامت کے ذریعے ولی چیلنج نہیں کرتا البتہ بعض مخصوص حالات میں ولی اپنی کرامت کے ذریعے خلق خدا کی نصیحت کیلئے چیلنج بھی کرتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ ﷻ انہیں ہدایت عطا فرمائے (اور ایسا بہت کم ہوتا ہے البتہ میری جائے پناہ، سرتاج اولیاء، مظہر انوار مصطفیٰ، وارثِ شجاعت شیر خدا، قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ کے قائل عالی مقام، سیدنا غوث العالمین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ایسا کئی بار ہوا ہے، ابومحمد قادری اویسی غفرلہ)۔

معجزہ ہمیشہ دعوی نبوت کے بعد ہی ہوتا ہے اور یہ خود بخود (خاموشی کے ساتھ بلاارادہ) واقع نہیں ہوتا جبکہ کرامت دعوی نبوت کے بغیر ہی (مومن وصالح شخص کے ہاتھوں) واقع ہوتی ہے اور یہ از خود (خاموشی کے ساتھ ولی کے قصدوارادے کے بغیر ہی) واقع ہو جاتی ہے۔

اس لیے اکثر اوقات قصد وارادہ، چیلنج اور دعوی نبوت ''معجزہ'' کے لیے شرط ہے لیکن کرامت میں یہ اُمور شرط ولازمی نہیں، البتہ معجزہ اور کرامت میں ایک بات مشترک

ہے اور وہ ہے خلاف عادت فعل کا ظاہر ہونا۔

اس لیے یہ بات جائز ہے کہ جو فعل نبی سے بطریق معجزہ صادر ہوسکتا ہے وہ ولی سے بطریق کرامت بھی واقع ہوسکتا ہے (البتہ علمائے کرام نے بعض مخصوص معجزات کے بارے میں فرمایا کہ وہ اولیاءاللہ سے بطور کرامت بھی صادر نہیں ہوسکتے، مثلاً چاند کو دو ٹکڑے کرنا، سورج کا لوٹا دینا وغیرہ)۔

ولی کی تعریف

ولی اُسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ﷻ اور اس کی صفات کا عارف، نیکیوں پر پابندی سے عمل پیرا اور گناہوں سے دُور رہنے والا ہو، نیز لذائذ دنیوی اور نفسانی شہوات میں حد درجہ مشغول ہونے سے بچنے والا ہو۔

(اے بھائی!) جب تو نے یہ باتیں سمجھ لیں تو یہ بھی جان لے کہ اولیاءاللہ کی کرامات کا ثبوت قرآن وسنت سے موجود ہے۔

قرآن مجید سے اولیاءاللہ کی کرامات پر دلائل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ﷻ نے ارشاد فرمایا:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا

ترجمہ: جب بھی زکریا اس کے پاس عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو وہ اس کے پاس (نئی سے نئی) کھانے کی چیزیں موجود پاتے۔ (سورۂ مریم ۱۹، آیت ۳۷)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:

لوگ ان کے پاس انگوروں کو تھیلے میں پاتے حالانکہ اس وقت ان کا موسم نہیں ہوتا تھا (یا وہ انگور اس ملک میں نہیں پائے جاتے تھے)۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت سیدنا جبیر ؓ، سیدنا مجاہد ؓ اور سیدنا ضحاک ؓ اور سیدنا قتادہ ؓ ارشاد فرماتے ہیں:

ان کے پاس سردی کے موسم میں گرمی کے پھل اور گرمی کے موسم میں سردی کے پھل پائے جاتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کی ایک روایت ملتی ہے لیکن اس میں اتنا اضافہ بھی ہے کہ ”وہ جنتی پھل ہوتے تھے“۔

حضرت سیدنا حسن بصری ؓ فرماتے ہیں:

ان کے پاس آسمانی رزق آتا تھا لوگوں والا رزق نہیں آتا تھا (یعنی زمینی پھل وغیرہ نہیں ہوتے تھے) اسی لیے اگر وہ لوگ ان پھلوں کو زمینی پھل جانتے تو اس بارے میں ان سے سوال ہی نہیں کرتے۔

اس حدیث مبارکہ کی تفسیر میں متقدمین ائمہ کرام کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں جیسے امام سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر درمنثور میں اور امام ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ حضرت سیدتنا مریم رضی اللہ عنہا صحیح ترین قول کے مطابق نبی نہیں تھیں کہ اس درج ذیل بات کو ان کا معجزہ قرار دیا جاسکے بلکہ درست تو یہ ہے کہ یہ فعل آپ کی کرامت میں سے تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے ان کے واقعہ کو قرآن میں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا: (سورۂ مریم ۱۹، آیت ۲۵)

ترجمہ: اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ وہ تم پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرادے گا۔

اور یہ اس وقت تھا کہ ابھی کھجوریں (موسم کے مطابق) درخت پر ہی نہیں تھیں، جیسا کہ ہے محقق اہل تفسیر میں سے امام ابن اثیر علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے۔

اور اسی طرح کرامت کے باب میں اصحاب کہف رضی اللہ عنہم کے کتے کا کلام

کرنا بھی آتا ہے جبکہ اصحاب کہف نے (اپنے پیچھے) آئے ہوئے کتے کو واپس لوٹانے کیلئے دُھتکارا تو اس نے کہا کہ مجھ سے کیوں خوفزدہ ہو میں تو اللہ تعالیٰ ﷻ کے دوستوں سے محبت کرنے والا ہوں اور تم سو جاؤ تو تمہاری پہرے داری کرنے والا ہوں (تو کتے کا اس طرح بات کرنا دراصل اصحاب کہف کی کرامت تھی)۔

اسی طرح حضرت سیدنا آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جب انہوں نے حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کیلئے بلقیس کا تخت پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ ﷻ نے قرآن پاک میں ان کے اس فعل کے بارے میں بیان کیا ہے:

قَالَ الَّذِی عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ:

ترجمہ: (پھر) ایک ایسے شخص نے عرض کیا جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے (یعنی پلک جھپکنے سے بھی پہلے)۔ (سورۂ نمل ۲۷، آیت ۴۰)

تو یہ بات واضح رہے کہ ماقبل جتنے بھی افراد کے واقعات مذکور ہوئے ان میں سے کوئی بھی نبی نہیں تھا اس لیے اس بات میں کوئی شک نہیں (کہ وہ سب اولیاء اللہ تھے اور یہ سب) ان کی کرامات تھیں۔

احادیث نبویہ سے کرامت کے ثبوت پر دلائل

احادیث نبویہ سے کرامت کے ثبوت میں حضرت جریج راہب کا وہ واقعہ مذکور ہے جب بکریاں چرانے والی ایک عورت کے (زنا کی) تہمت لگانے کی وجہ سے لوگوں نے ان کی عبادت گاہ کو مسمار کر دیا اور انہیں وہاں سے نکال دیا تو انہوں نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور پھر اس بچے سے کہا:

اے بابوس! تیرا باپ کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ فلاں چرواہا میرا باپ

ہے۔ تفصیلی واقعہ جیسا کہ صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ تو اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ جریج راہب کی کرامت تھی کہ نوزائیدہ بچے نے کلام کیا یہ ایک خلاف عادت فعل تھا۔

اسی طرح اُس بچے کا کلام کرنا جو کہ ابھی اپنی والدہ کی گود میں پرورش پا رہا تھا کہ ان کے پاس سے ایک بادشاہ گزرا تو اس کی والدہ نے کہا اے اللہ! میرے بیٹے کو بھی ایسا ہی بنا دے، بچے نے اپنی والدہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا اے اللہ! یہ مجھے اس کی طرح نہ بنانا پھر اس کے پاس سے ایک عورت گزری جس کو گھسیٹا جا رہا تھا اور اس کا مذاق اڑایا جا رہا تھا تو اس کی والدہ نے کہا کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو ایسا نہ کرنا تو اس کے بچے نے متوجہ ہو کر کہا اے اللہ! مجھے ایسا ہی کرنا۔ یہ واقعہ بھی صحیح بخاری اور دیگر کتابوں میں مذکور ہے اور یہ بھی کرامت میں سے ہے۔

اسی طرح غار والوں کا واقعہ ہے جن پر ایک چٹان آ گئی تھی (اور اس کی وجہ سے غار کا دَہانہ بند ہو گیا) تو انہوں نے اپنے اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ﷻ سے دعائیں کیں تو پھر وہ چٹان اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ جیسا کہ امام بخاری اور دیگر نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور یہ بھی بلاشبہ ایسی کرامت ہے کہ اس میں کسی نے بھی شک نہیں کیا۔

کرامت کے ثبوت پر صحابہ کرام سے دلائل

کرامت کے ثبوت میں حضرت سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ لوہے کی زنجیروں میں قید تھے تو ان کے پاس انگور پائے جاتے تھے حالانکہ اس زمانے میں پورے مکہ مکرمہ میں انگور نہیں تھے جیسا کہ اس واقعہ کو امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ یہ (حضرت سیدنا خبیب رضی اللہ عنہ کی) کرامت ہے۔

اسی طرح اس شخص کا واقعہ بھی مذکور ہے جس نے بادلوں میں سے یہ آواز سنی کہ فلاں کے باغ کو سیراب کرو، جیسا کہ اس واقعہ کو امام بخاری نے بیان کیا ہے یہ بھی دراصل کرامت ہے۔

اسی طرح اس شخص کے بارے میں حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بددعا کا قبول ہونا جس نے آپ پر جھوٹ باندھا تھا اور کہا تھا کہ بے شک سعد فوجیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے اور نہ ہی انصاف کے ساتھ تقسیم کرتے اور نہ ہی فیصلوں کے دوران عدل وانصاف کرتے ہیں۔

تو حضرت سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اس کیلئے بددعا فرمائی، اے اللہ! اگر اس نے یہ باتیں دکھاوے کیلئے کہی ہیں تو اس کی عمر کو بڑھا دے لیکن اس کی محتاجی میں بھی اضافہ فرمادے اور اسے آزمائش میں مبتلا کردے تو اس بددعا کے بعد اُس شخص کا یہ حال تھا کہ راستے کے خس و خاشاک چُنتا پھرتا تھا اور اندھا ہو چکا تھا تو کسی نے اس سے پوچھا یہ حال کیسے ہوا؟ تو کہنے لگا میں ایک بوڑھا اور فتنے میں مبتلا شخص ہوں مجھے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگی ہے۔

اس واقعہ کو امام بخاری نے روایت کیا ہے تو اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ (حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی)۔

اسی طرح اُس گائے کا کلام کرنا جس پر اُس کے مالک نے ساز وسامان لاد دیا تھا تو اس گائے نے کہا کہ مجھے اس (سامان اٹھانے کیلئے) پیدا نہیں کیا گیا بلکہ مجھے کھیتی کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔

اس واقعہ کو بھی امام بخاری نے روایت کیا ہے تو یہ بھی کرامت میں سے ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری'' میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے مہمان کے ساتھ کھانا کھانے کا واقعہ بھی مذکور ہے کہ اس کھانے میں سے جب بھی کوئی لقمہ اٹھایا جاتا تو اس میں کم ہونے کے بجائے نیچے سے بڑھتا ہی جاتا تھا حتی کہ تمام مہمانوں نے کھانا کھالیا اور اس کے باوجود وہ کھانا پہلے کے مقابلہ میں تین گنا زیادہ تھا۔ یہ بھی کرامت میں سے ہے۔

اسی طرح حضرت سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا خود پر فرشتوں کا سلام سننا بھی

کرامت میں سے ہے۔ اس واقعہ کو امام مسلم نے بیان کیا ہے۔

اسی طرح امام ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان پر سے بادل گزرے (جو پانی سے بھرے ہوئے تھے لیکن وہاں برس نہیں رہے تھے) تو آپ نے ان بادلوں سے کہا میں تمہیں اللہ تعالیٰ ﷻ کی قسم دیتا ہوں کہ ہم پر برس جاؤ تو ان بادلوں نے اسی وقت برسنا شروع کردیا۔

اسی طرح حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے جیسا کہ امام ابونعیم نے اسے روایت کیا ہے کہ جب انہیں حضور نبی کریم ﷺ نے ایک غزوہ میں بھیجا تو ان کے اور دشمن کے لشکر کے درمیان ایک دریا حائل ہو گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ ﷻ سے دعا کی اور اپنے گھوڑوں اور جانوروں کے ساتھ اس پانی پر چلنے لگے۔ یہ بھی کرامت میں سے ہے۔

اسی طرح امام ابونعیم نے روایت کیا ہے کہ جس برتن میں حضرت سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کھانا کھایا تو اس برتن میں تسبیح کی آواز کو حاضرین تک نے سماعت کیا تھا۔ یہ بھی کرامت ہے۔

اسی طرح ''دریائے نیل'' اور (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا) اے ساریہ! پہاڑ کی طرف توجہ کرو' والے واقعات جیسا کہ سائل کے سوال میں بھی مذکور ہے پس یہ دونوں واقعات بھی تو کرامات میں سے ہیں۔

اسی طرح امام مستغفری نے حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے حدیثِ ''رَحْبَۃٌ'' [رَحْبَۃُ خُنَیْس: کوفہ کا ایک مقام] کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے اس کا انکار کردیا، آپ نے فرمایا کیا تو مجھے جھٹلاتا ہے؟ اس نے کہا بھلا میں آپ کو کیوں جھٹلاؤں؟ تو حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ ﷻ سے دعا کروں کہ اگر تو جھوٹا ہے تو تجھے اندھا کردے؟ اس شخص نے کہا آپ اللہ

سے دعا کریں، پس آپ رضی اللہ عنہ نے اس کیلئے بددعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ عزوجل نے اسے اندھا کر دیا اور وہ "رَحْبَة" سے اندھا ہو کر نکلا۔

اس طرح دیگر کثیر صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین عظام اور مشائخ طریقت کے ہاتھوں پر ہمیشہ سے کرامات کا ظہور وصدور ہوتا رہا اور ان سب کا احاطہ وشمار کرنا ممکن نہیں۔

☆ اسی لیے امام قشیری علیہ الرحمہ نے اپنے "رسالہ قشیریہ" میں فرمایا ہے:

کرامات اولیاء کے بارے میں اس کثرت سے اخبار و حکایات مروی ہیں کہ ان سے ایسا قوی علم حاصل ہوتا ہے جو کرامات کے وقوع کے بارے میں تمام شکوک وشبہات کو ختم کر دیتا ہے۔

☆ سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ جس قدر کثرت سے اولیائے کرام سے کرامات کا ظہور ہوا ہے اس قدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کیوں نہیں ہوا؟

تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

صحابہ کرام سے بکثرت کرامات کا صدور اس لیے نہیں ہوا کہ ان کا ایمان قوت و یقین میں نہایت کامل تھا برخلاف بعد والوں کے ایمان کے، اسی لیے جب بعد والوں کے ایمان میں کمزوری ظاہر ہونے لگی تو کمزور ایمان والوں کے یقین میں پختگی پیدا کرنے کے لیے اولیائے کرام سے کرامات کا ظہور ہوا۔

اس فرمان کی تائید سیدنا امام ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے:

سیدتنا مریم علیہا السلام کو ابتداءً بغیر سبب کے خلاف عادت اُمور کے ذریعے سے مانوس کیا گیا تا کہ ان کا ایمان راسخ اور یقین کامل ہو جائے، اس لیے اللہ تعالیٰ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا:

ترجمہ: جب بھی زکریا اس کے پاس عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو وہ اس کے پاس (نئی سے نئی) کھانے کی چیزیں موجود پاتے۔ (سورۂ مریم ۱۹، آیت ۳۷)

لیکن جب ان کا ایمان و یقین کامل ہو گیا تو انہیں اسباب کی طرف لوٹا دیا گیا کہ اب اُن کی ضرورت نہ رہی، اسی لیے ان سے ارشاد فرمایا:

وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا : (سورۂ مریم ۱۹، آیت ۲۵)

ترجمہ: اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ وہ تم پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرا دے گا۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ قرآن وسنت کی میں بے شمار قوی ترین دلائل موجود ہیں کہ اولیائے کرام حق و سچ ہیں، اس لیے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور بالفرض اگر کوئی انکار کرتا بھی ہے تو وہ دراصل شریعت واحکام کے مرجع حقیقی یعنی قرآن وسنت کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اپنی باطل خواہشات کی پیروی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ عزوجل قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا : (سورۂ نساء ۴، آیت ۶۵)

ترجمہ: پس (اے حبیب!) آپ کے ربّ کی قسم! یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا : (سورۂ نساء ۴، آیت ۵۹)

ترجمہ: پھر اگر کسی مسئلہ میں تم باہم اختلاف کرو تو اسے (حتمی فیصلہ کے لئے) اللہ اور

رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، (تو) یہی (تمہارے حق میں) بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔

لہٰذا جو بندہ ایسے معاملات میں تنازع کے وقت بھی قرآن وسنت کی طرف رجوع نہیں کرتا تو دراصل وہ اللہ تعالیٰ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ پر کامل ایمان ہی نہیں رکھتا۔

کراماتِ اولیائے کرام کے اثبات میں علمائے کرام کی کثیر تعداد کلام نے فرمایا ہے سوائے معتزلہ کے اور اُن میں سے بھی ابوالحسین بصری اور کے شاگرد محمود خارزمی نے البتہ جمہور علمائے کرام کے ساتھ موافقت کی ہے۔

اور معتزلہ نے بھی چند شبہات کی وجہ سے اس کا انکار کیا ہے اور ان شبہات کا فساد بذاتِ خود ظاہر و باہر ہے اگر ہمیں کتاب کی طوالت کا اندیشہ لاحق نہ ہوتا تو ہم انہیں یہاں ایک ایک کر کے ذکر کرتے اور جواب دیتے۔

☆ سیدنا امام یافعی علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا جو لوگ کرامات کا انکار کرتے ہیں ان کی چند اقسام ہیں:

(۱) جو لوگ مطلقاً کرامات کا انکار کرتے ہیں ان میں مشہور مذاہب (مثلاً معتزلہ وغیرہ) شامل ہیں۔

(۲) جو لوگ پہلوں کی کرامات کو تو مانتے ہیں مگر اپنے زمانے والوں کی کرامات سے منکر ہیں تو ان کی شان بنی اسرائیل کی سی ہے کہ انہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تو دیکھا ہی نہیں لیکن ان کی پھر بھی تصدیق کرتے تھے اور سیدنا محمد ﷺ کو دیکھنے کے باوجود بھی حسد و دشمنی کی بنا پر انکار کر بیٹھے۔

(۳) جو لوگ اس بات کو تو مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ﷻ کے اولیائے کرام ہر دور میں موجود ہوتے ہیں لیکن وہ کسی ایک معین شخص کی تائید و تصدیق نہیں کرتے تو ایسے لوگ اپنے زمانے

کے اولیاء اللہ کی برکتوں سے محروم ہیں۔

اور ایسوں ہی میں سے کچھ لوگ جب اپنے زمانے کے اولیاء اللہ میں سے کسی کو ہوا میں اُڑتا ہوا دیکھتے ہیں تو بولتے ہیں کہ یہ تو کسی جنّ کی بدولت ہو رہا ہے یہ کرامت تو نہیں ہے۔

اس مقام پر امام یافعی علیہ الرحمہ نے تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرمایا:

کسی بھی صاحبِ ایمان کو کراماتِ اولیاء کے بارے میں توقف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ کرامات کا وجود وصدور عقلاً ونقلاً دونوں طرح ہی ثابت ہے۔

عقلی جواز کی دلیل اس کا من جملہ ممکنات میں سے ہونا ہے جو کہ قدرتِ الٰہیہ کے لیے محال نہیں ہے، اسی لیے جملہ اہلِ سنت کے مشائخ شریعت وطریقت اور علمائے اُصولیین وفقہا ومحدثین نے اس باب میں یہی قول بیان فرمایا ہے۔

اور نقلی دلائل سے اس کے ثبوت کے بارے میں ہم نے ماقبل کئی نقول پیش کی ہیں اگر ہمیں عدالت کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو ہم ان نقول کو مفصل اَسانید کے ساتھ تحریر کرتے (اور اس بارے میں دلائل اتنے کثیر ہیں کہ) کوئی حساب وشمار کرنے والا ان کا احاطہ نہیں کرسکتا بہر حال موجودہ دلائل کے علاوہ اگر مزید دلائل وبراہین کے انبار بھی لگا دیئے جائیں تو جس پر بدبختی نے غلبہ پالیا ہے اُسے ہدایت وتشفی نہیں مل سکتی اور ایسوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ﷻ کا یہ فرمان ہی کافی ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ: (سورۂ قصص ۲۸، آیت ۵۶)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (راہِ ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اسے راہِ ہدایت پر آپ خود نہیں لاتے بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے (آپ کے ذریعے) راہِ ہدایت پر چلا دیتا ہے۔

اور علم درحقیقت علمائے کرام کے پاس امانت ہے اور مجھ سے بھی چونکہ اس (کرامت

کے بارے میں تفصیلی کلام کرنے کے لیے) سوال کیا گیا تھا لہٰذا میں نے یہ مختصر تحریر جو کہ قابل قدر و فوائد کی حامل ہے پیش کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ ﷻ ہی صراط مستقیم کی ہدایت دینے والا ہے۔

وصال کے بعد اولیاء کرام کی کرامات پر دلائل

اور سوال میں یہ بات بھی مذکور تھی کہ کیا میّت کی کرامت بھی زندوں کی کرامت کی طرح قابل اعتبار ہے یا نہیں؟

تو جان لو! کہ ہر وہ خلاف عادت کام جو ولی یا نبی سے اُن کے وصال کے بعد ظاہر ہو کرامت کہلاتا ہے، البتہ نبی جب تک زندہ ہو تو اس سے صادر ہونے والے خلاف عادت اُمور ''معجزہ'' کہلاتے ہیں، لیکن وصال کے بعد ایسے اگر اُمور صادر ہوں تو انہیں معجزہ نہیں کہتے ہیں کیونکہ اس وقت ان میں چیلنج کی صورت موجود نہیں ہے جیسا کہ ولی کی کرامت میں بھی چیلنج نہیں ہوتا۔ وصال کے بعد بھی اولیائے کرام سے کرامات کا ثبوت ایسے قوی دلائل سے واضح ہے جس پر کسی چوں و چراں کی گنجائش نہیں۔

انہیں دلائل میں سے وہ روایت بھی ہے جسے امام ترمذی، حاکم اور بیہقی نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

بعض صحابہ کرام نے بے خیالی میں ایک قبر پر خیمہ لگا دیا اور انہیں وہاں قبر ہونے کا علم نہیں تھا تو انہوں نے (خیمہ کے اندر زمین سے) ایک شخص کی آواز سنی جس نے پوری سورۂ ملک تلاوت کی تو صحابہ کرام بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا، تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بیشک یہ (سورۂ ملک) روکنے والی ہے اور اپنے (پڑھنے والے کو) عذاب قبر سے نجات دیتی ہے۔

☆ حضرت ابو القاسم سعدی علیہ الرحمہ نے ''کتاب الروح'' میں لکھا ہے:

حضور نبی کریم ﷺ نے اس بات کی تصدیق فرما دی کہ مردہ اپنی قبر میں تلاوت کرتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ؓ نے سرکار علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کی اور آپ ﷺ نے (سارا واقعہ سن کر) اس کی تصدیق فرما دی (اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور علیہ السلام اس واقع کو رد فرما دیتے لیکن آپ ﷺ نے اسے رد نہیں فرمایا یہ اس بات کی سچائی پر دلیل ہے)۔

امام مستغفری نے (دلائل النبوۃ) میں حضرت سیدنا جابر بن عبد اللہ ؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سیدنا امیر المومنین ابو بکر صدیق ؓ نے حکم فرمایا:

جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے دربار رسالت ﷺ میں لے کر حاضر ہو جانا اور دروازہ کھٹکھٹانا پس اگر دروازہ کھل جائے تو مجھے وہاں دفن کر دینا۔

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں (پس وصال کے بعد) ہم نے ان کے جنازے کو لے کر چلے اور (دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے) پھر دروازہ کھٹکھٹایا اور عرض کی یہ ابو بکر ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ وہ اپنے نبی ﷺ کی قربت میں دفن ہوں؟ تو اتنا کہنا تھا کہ دروازہ کھل گیا اور ہمیں پتہ نہ چلا کہ کس نے دروازہ کھولا ہے اور ہمیں ایک غیبی آواز سنائی دی کہ انہیں لے آؤ اور دفن کر دو۔ بلاشبہ یہ آپ ﷺ کی عزت و کرامت تھی کہ ہم نے وہاں کسی بھی شئی یا آدمی کو نہیں دیکھا۔

تو اس بات میں اب کوئی شک نہیں کہ یہ حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی کرامت تھی۔

امام مستغفری نے حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

جس دن حضرت عثمان ؓ کو شہید کیا گیا اسی رات خواب میں آپ ؓ نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے: اے عثمان! (تم نے آج روزہ رکھا ہے تو) افطار ہمارے ساتھ کرنا۔ پس اسی دن حضرت سیدنا عثمان ؓ کو شہید کر دیا گیا۔

امام بخاری نے حضرت سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اُن کے وصال پر عرش الٰہی ہل گیا اور حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو اس بات سے آگاہ فرمایا۔ بے شک یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کرامت تھی۔

اور حضرت سیدنا حنظلہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو کہ مشہور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد فرشتوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو غسل دیا: بے شک یہ بھی کرامت ہے۔

اور حضرت سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو کہ سائل نے اپنے سوال میں بھی بیان کیا ہے، یہ بھی ان کی کرامت میں سے ہے اور حضرت سیدنا سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کا ایام حرہ کے دوران ہر نماز کے لیے قبر نبی ﷺ سے اذان واقامت کا سننا، جیسا کہ امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اور امام ابن سعد نے (طبقات) میں روایات کیا ہے۔ یہ بھی کرامت میں سے ہے۔

اور حضرت سیدنا زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ہے کہ جب حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ کا وصال ہوا تو وصال کے بعد آپ کے سینے سے کسی چیز کے ہلنے کی آواز سنی گئی اور آپ کہہ رہے تھے، احمد احمد جن کی بشارات پہلے سے کتابوں میں موجود تھیں: بالکل سچ ہے، ابوبکر صدیق اندرونی طور پر نرم دل لیکن اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے احکامات کے معاملے میں سخت تر ہیں: بالکل سچ ہے، عمر بن خطاب قوی وامین ہے: بالکل سچ ہے، عثمان بن عفان ان حضرات کے نقش قدم پر ہے۔

چار گذر گئے جبکہ دو باقی ہیں نیز اب فتنے اُمنڈنے والے ہیں طاقتور کمزور کو کھائے گا، قیامت آنے والی ہے اور تمہارے پاس لشکر کی خبر بیراُریس سے آئے گی اور تم کیا جانو کہ بیراُریس کا معاملہ کیا ہے؟

حضرت سیدنا سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

بنی خطمہ ایک کا شخص انتقال کر گیا اور اس پر کپڑا ڈالا گیا تو اس کے سینے سے بھی کسی

چیز کے ہلنے کی آواز سنی گئی اور وہ کہہ رہا تھا، بے شک بنی حارث بن خزرج سے رشتہ مؤاخات ہے اور بالکل سچ ہے۔

ان واقعات کو امام بیہقی علیہ الرحمہ نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے اور اس بارے میں بہت سے شواہد بھی موجود ہیں۔

امام بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ جنگ صفین یا جنگ جمل کے بعد شہداء میں لوگوں کو تلاش کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک شہید انصاری بول اٹھے:

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں ابوبکر ''صدیق'' ہیں، عمر ''شہید'' اور عثمان ''رحمت کیے ہوئے ہیں'' اتنا کہنے کے بعد وہ خاموش ہو گئے۔ یہ بھی ان کی کرامت ہے۔

اسی طرح حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، جب کہ وہ جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے اور انہیں قبر میں اُتارا گیا (تو انہوں نے بھی مذکورہ بالا واقعے کی طرح کلمات کہے، جب صحابہ کرام نے قبر کے اندر جھانکا تو انہیں کوئی نظر نہیں آیا) اس واقعہ کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں جبکہ امام ابن مندہ اور ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔ یہ بھی کرامت ہے۔

اسی طرح سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے والد گرامی (عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ) کا واقعہ ہے کہ جب وہ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے تو ان کی بہن نے رونا شروع کر دیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم روؤ یا نہ روؤ! فرشتے اِن پر اپنے پروں سے سایہ کیے رہیں گے'' اسے امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ یہ بھی کرامت ہے۔

پس اگر تم کہو! کہ آپ نے ماقبل کرامت میّت کے بارے میں جتنے بھی دلائل ذکر کیے ہیں اس میں کسی دوسرے کو تو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا تو ہم ایسی کرامت کا انکار کب

کررہے ہیں؟ بلکہ ہم تو اُس کرامت کا انکار کررہے ہیں جس میں مردوں سے کسی مشکل کے بارے میں عرض پیش کی گئی تو اللہ تعالیٰ ﷻ نے (اپنے مقرب بندوں) پر پیش کیے جانے والے سوال کی وجہ سے اُن (عرض کرنے ں) کی تکلیف کو دور کردیا ہو؟ اور یہی بات ہمارے زمانے میں معروف ہے، لہٰذا اس کے جواز پر بھلا کیا دلیل ہے؟ کیا ایسی کرامات معتبر ہیں؟

☆میں کہتا ہوں!

جب اللہ تعالیٰ ﷻ نے میّت کو (اس کی زندگی میں) خلاف عادت اُمور کی توفیق بخشی تھی تو (اب مرنے کے بعد) اس سے خلاف عادت فعل کے ظاہر ہونے میں بھلا کیا تعجب ہے؟ حالانکہ یہاں بھی تو قدرت الٰہی کے سبب سے اس کا ظہور ہو رہا ہے (تو قدرت الٰہی نے جیسا کہ اسے زندگی میں خلاف عادت اُمور کی توفیق بخشی تھی تو مرنے کے بعد بھی اُسی نے اِس بات کی توفیق بخشی ہے پھر انکار کیوں؟) اور اللہ تعالیٰ ﷻ کی قدرت تو تمام ممکنات پر ہے (اور یہاں بھی تو ایک ممکن ہی کی بات ہے) لہٰذا (وصال کے بعد) مومن وصالح شخص سے کرامات کا ظہور دراصل اللہ تعالیٰ ﷻ کے اسے عزت واکرام بخشنے کی وجہ سے ہے تاکہ وہ لوگ جو اس درجے تک نہیں پہنچ سکتے وہ اس کے ذریعہ سے ہدایت پائیں۔ یہ نہایت واضح بات ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ بھی نہیں، باوجود اس کے کہ اس کے ثبوت پر ہمارے پاس ایسے صریح ونقلی دلائل وبراہین موجود ہیں جو شکوک کو ختم کرنے والے ہیں۔

انہی دلائل میں سے ہے جسے امام بیہقی، امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت سیدنا مالک الدار ؓ سے روایت کیا ہے جو کہ حضرت عمر ؓ کے خازن تھے:

حضرت سیدنا عمر بن خطاب ؓ کے زمانہ خلافت میں لوگ قحط میں مبتلا ہوگئے تو ایک شخص نے روضہ رسول ﷺ پر آکر عرض کی! یارسول اللہ! اپنی اُمت کیلئے بارش طلب فرمائیں کہ وہ قحط سے ہلاک ہونے والی ہے؟ تو حضور ﷺ نے اسے خواب میں تشریف لاکر

ارشاد فرمایا: کہ عمر کے پاس جاؤ اور ہمارا سلام کہو اور ان سے کہو کہ تمہیں بارش سے سیراب کیا جائے گا اور اس سے کہو، اُمور مملکت کے بارے میں مزید دانائی اور زیرکی سے کام لیں۔

پس وہ شخص حضرت عمر ؓ کے پاس حاضر ہوا اور سارے واقعہ عرض کیا تو حضرت عمر ؓ رونے لگے اور عرض کی! اے میرے ربّ! میں اپنی طرف سے کوئی کمی روا نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ میں (بہ تقاضائے بشری) عاجز آجاؤں؟

اور یہ ایسی کرامت ہے کہ جس سے لوگوں کو بھی نفع حاصل ہوا اور حضرت عمر ؓ نے اس بات پر کوئی انکار بھی نہیں کیا کہ وصال کے بعد حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے حاجت کیوں پیش کی گئی؟

اور حضرت ابوبکر بن مقری علیہ الرحمہ، حضرت ابوالشیخ اور حضرت امام طبرانی کا واقعہ معروف ہے کہ جب انہوں نے حرم نبوی میں دوراتیں بھوک کی حالت میں گزاریں تو بالآخر حضرت ابوبکر نے عرض کی، یارسول اللہ! بھوک لگ رہی ہے، تو ابھی یہ عرض کیے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک علوی شخص آیا اور اس کے ساتھ دو غلام بھی تھے اور ان دونوں کے ہاتھوں میں تھیلا تھا جس میں بہت سارا کھانا موجود تھا اس نے آتے ہی پوچھا کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے کسی بات کی شکایت کی ہے؟

میں نے ابھی ابھی حضور علیہ السلام کی خواب میں دیکھا: تو آپ نے مجھے تمہارے پاس کھانے کے لیے سامان کا حکم ارشاد فرمایا۔

یہ بھی کرامت ہے اور اس کرامت سے یہ تینوں علمائے کرام مستفید بھی ہوئے اور باوجود شریعت پر سختی سے عمل پیرا ہونے کے انہوں نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا حالانکہ ان کی اتباع شریعت زمانے بھر میں معروف اور ان کی کتابوں کے ذریعے پھیلی ہوئی ہے۔

اور اس اَعرابی کا واقعہ جس نے حضور ﷺ کی تدفین کے بعد آپ ﷺ کی قبر پر

آکراشعار پڑھے:

يَـا خَيْـرَ مَـنْ دُفِـنَـتْ بِـالْقَـاعِ أَعْظُمُـهُ   فَـطَـابَ مِـنْ طِيْبِهِـنَّ الْقَـاعُ وَالأَكَمُ

أَنْـتَ الـنَّبِـيُّ الَّذِيْ تُـرْجـىٰ شَفَـاعَتُـهُ   عِـنْـدَ الـصِّـرَاطِ إِذَا مَـا زَلَّـتِ الْقَدَمُ

نَـفْسِـيَ الْـفِـدَاءُ لِـقَـبْـرٍ أَنْـتَ سَـاكِنُـهُ   فِيْـهِ الْـعِـفَـافُ وَفِيْـهِ الْـجُوْدُ وَالْكَـرَمُ

ترجمہ: اے وہ ذات والاصفات جوان لوگوں سے بہتر و برتر ہے جن کے اعضائے بدن کو میدانی علاقہ میں دفن کیا گیا اوران کے اعضاء واجزائے بدن سے میدانی علاقے اور پہاڑ و ٹیلے پاکیزہ وخوشبودار ہو گئے۔

آپ ﷺ ہی وہ نبی ہیں جن کی شفاعت کی اُمید جہنم کی پشت پر رکھے ہوئے پل صراط سے قدموں کی لغزش کے وقت کی جاتی ہے۔

میری جان فدا ہو اس قبر اقدس پر جس میں آپ نے سکونت اختیار فرمائی ہے، وہی قبر پاکدامنی کا مخزن اور وہی قبر جود وکرم کا معدن ہے۔

پھر اس (اعرابی شخص کو) مغفرت کی نوید سنائی گئی۔

تو یہ تمام دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کرامت کا وقوع زندوں اور مردوں دونوں سے جائز ہے اور جس نے بھی اس کا انکار کیا تو اس نے گویا شریعت مقدسہ سے لڑائی کی ہے کیونکہ احکام اسلامیہ کی اصل تو قرآن وسنت ہی ہے اوران کے علاوہ میں تو نقصان ہی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے آگ کی سختیوں سے محفوظ فرمائے۔

میں نے یہاں صرف انہیں دلائل کو ذکر کیا ہے جنہیں میری دانست میں انکار کرنے والا (صحیح ہونے کی وجہ سے) رد نہیں کرسکتا اور جن دلائل میں میری دانست میں کوئی ایسی شئی تھی جس سے انکار ہوسکتا تھا تو اسے میں نے اس کتاب میں تحریر نہیں کیا تاکہ کوئی تاویل کرنے والا اس کی تاویل نہ کر بیٹھے یا اسے ضعیف نہ کہہ سکے اور انصاف سے کام لینا ایمان کا تقاضہ

ہے نیز ہمارا کلام بھی صرف انصاف کے طالبین سے ہے، باقی رہے وہ لوگ جو ہر کام میں صرف اپنی نفس کی پیروی کرتے ہیں تو ان کے لیے ہم نے کوئی کوشش نہیں کی۔

اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے اور کرامات کے بارے میں یہ ہمارا آخری کلام ہے۔

نسأل من الله تعالى الكريم علو الدرجات والمغفرة من جميع السيئات بحرمة أفخر الموجودات عليه وآله وأزواجه وأصحابه أفضل الصلوات وأشرف التسليمات

تمت

الحمد للہ! کتاب ہذا کا ترجمہ ماہ شعبان المعظم کے اخیر سے شروع ہو کر آغاز رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۰۱۲ء میں مکمل ہوا، کل تقریباً ۲۵ ایام صرف ہوئے، اللہ تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور امت مسلمہ کو اس سے مستفید ہونے کی سعادت عطا فرمائے اور اسے میرے لیے توشۂ نجات ومغفرت بنائے۔ آمین

الفقير إلى عفو ربه الكريم وعبده المذنب

اعجاز احمد بن بشیر احمد بن محمد شفیع

غفر له ولهم وأحسن إليه وإليهم

﴿فهرس المصادر والمراجع﴾

١ـ **اثبات عذاب القبر**،للبيهقي:(تـ:٤٥٨هـ)تحقيق: محمد حسن اسماعيل مطبعة دار الكتب العلمية،بيروت،الطبعة الاولى سنة (١٤٢٥هـ/٢٠٠٤م)

٢ـ **احياء العلوم الدين**، لـلـغـزالى(تـ:٥٠٥هـ)مطبعة مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر ، الطبعة سنة (١٣٥٨هـ/١٩٣٩م)

٣ـ **اخبار اصفهان** ،للأصبهانى (تـ:٤٣٠هـ) مطبعة بديل مدينة ليدن ، الطبعة الاولى سنة (١٩٣١م)

٤ـ **الاخلاص**،لابن ابي الدنيا (تـ:٢٨١هـ) تحقيق : مصطفىٰ عبد القادرعطا مطبعة المكتبة العصرية ، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤٢٦هـ/٢٠٠٦م)

٥ـ **الادب المفرد** ، لـلبـخـارى (تـ:٢٥٦هـ) مطبعة مؤسسة الكتب الثقافية، الطبعة الثانية سنة (١٤١٧هـ/١٩٩٦م)

٦ـ **أسد الغابة** ،لابن الاثير (تـ:٦٣٠هـ) تحقيق : علي محمد معوض، مطبعة دار الكتب العلمية ، بيروت ، الطبعة الاولى

٧ـ **أشـعة الـلـمـعـات شـرح مشـكـاة المصابيح**، لـعبـد الـحـق الدهلوي (تـ:١٠٥٢هـ)مطبعة تيج كمار، لكنهؤ ، الهند ، الطبعة التاسعة سنة (١٩٦٣هـ)

٨ـ **الاصابة فى تميز الصحابة** ، لابن حجر العسقلاني (تـ:٢٥٢هـ) تحقيق : عـادل احمد عبد المو جود ، مطبعة دار الكتب العلمية ، بيروت ، الطبعة الاولى سنة (١٤١٥هـ)

٩ـ **انبـاء الانبـاء فـى حيـاة الانبياء** ، ابـو الـحسـن السـندي ، تحقيق : غلام مصطفىٰ القاسمي ، مطبعة الشاه ولى الله ، السند ، الطبعة سنة (١٣٩٨هـ/١٩٧٨م)

١٠ـ **البداية والنهاية** ، لابـن كثيـر (تـ:٧٧٤هـ) تحقيق : الدكتور رياض عبد الحميد مراد ، مطبعة دار ابن كثير، دمشق ، الطبعة الاولى سنة (١٤٢٨هـ/٢٠٠٦م)

١١ـ **تاريخ الاسلام** ،لـلذهبى(تـ:٧٤٨هـ)تحقيق : الدكتور عمر عبد السلام ، مطبعة دار الكتاب العربي ، بيروت ، الطبعة الثانية سنة (١٤١٧هـ/١٩٩٧م)

١٢ـ **تـاريخ الامم والملوک** ، لـلـطـبـرى (تــ:٣١٠هـ) تحقيق : علي مهنا ، مطبعة مؤسسة العلمي ، بيروت ، الطبعة الاولى سنة (١٤١٨هـ/١٩٩٨م)

١٣ـ **تاريخ بغداد** ، للبغدادي (تـ:٨٦٣هـ) تحقيق : مصطفىٰ عبد القادر عطا ، مطبعة دار الكتب العلمية ، بيروت ، الطبعة الاولى سنة (١٤١٧هـ/١٩٩٧)

١٤ـ **تاريخ الخلفاء** ،للسيوطي (تـ:٩١١هـ) مطبعة دارمروان ، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٣٨٩هـ/١٩٦٩م)

١٥ـ **تـاريخ الخميس**،لـلـديـاربكري ، مطبعة مؤسسة شعبان ، بيروت، الطبعة الاولى سنة ـ

١٦ـ **تاريخ دمشق** ،لابن عساكر (تـ:٥٧١هـ) تحقيق : محب الدين ابي سعيد مطبعة دار الفكر ، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤١٥هـ/١٩٩٥م)

١٧ـ **تاريخ الكامل** ،لابن الاثير (تـ:٦٣٠هـ) تعليق : نخبة من العلماء الباحثين مطبعة دار الكتب العربي ، بيروت،الطبعة الاولى

١٨ـ **التاريخ الكبير**،للبخاري (تـ:٢٥٦هـ) مطبعة دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الاولى سنة ـ

١٩ـ **اتحاف الزائر**، لابـن عسـاكـر (تـ:٦٨٦هـ) تحقيق : حسين محمد علي شكري ، مطبعة دار الارقم ، بيروت ، الطبعة الاولى

٢٠ـ **التذكرة** ، لـلـقـرطـبي (تـ:٦٧١هـ) مطبعة دار الكتب العلمية ، بيروت ، الطبعة الاولى سنة (١٤١٩هـ/١٩٩٨م)

٢١ـ **الترغيب والترهيب** ،للمنذري (تـ:٦٥٦هـ) تحقيق : محمد محي الدين عبد الحميد ، مطبعة السعادة ، الطبعة الاولى سنة (١٣٧٩هـ/١٩٦٠م)

٢٢ـ **تفسير ابن ابي حاتم** ،(تـ:٣٢٧هـ) تحقيق : اسعد محمد الطيب، مطبعة مكتبة نزار مصطفى الباز ، مكة المكرمة ، الطبعة الثالثة سنة (١٤٢٤هـ/٢٠٠٣م)

٢٣ـ **تفسير البغوي** ،للامام البغوي (تـ:٥١٦هـ) تحقيق : عبد الرزاق المهدي ، مطبعة دار احياء التراث العربي ، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤٢٠هـ/٢٠٠٠م)

٢٤ـ **تفسير الخازن** ، علاء الدين الخازن ، مطبعة دار الكتب العربية الكبرى ، مصر ، الطبعة الاولى سنة ـ

٢٥ـ **تفسير الدر المنثور**، للسيوطي (تـ:٩١١هـ) تحقيق : نجدت نجيب ، مطبعة دار احياء التراث العربي ، بيروت ، الطبعةالاولى سنة (١٤٢١هـ/٢٠٠١م)

٢٦ـ **تفسير روح البيان** ،لامام اسماعيل حقي (تـ:١١٣٧هـ) مطبعة عثمانية ، الطبعة الاولى سنة (١٣٣٠هـ)

٢٧ـ **تفسير الطبري** ،لابن جرير الطبري (تـ:٣١٠هـ) تحقيق : الدكتور عبد الله التركي ، مطبعة دار عالم الكتب ، بيروت ، الطبعة الاولى سنة (١٣٢٤هـ/٢٠٠٣م)

٢٨ـ **تفسير القرطبي** ،(تـ:٦٧١هـ) تحقيق : الدكتورعبدالله التركي ، مطبعة مؤسسة الرسالة ، بيروت ، الطبعة الاولى سنة (١٤٢٧هـ/٢٠٠٦م)

٢٩ـ **التفسير الكبير**، للرازي (تـ:٦٠٦هـ) مطبعة مكتبة النهبة ، مصر، الطبعة الاولى سنة (١٣٥٣هـ/١٩٣٤م)

٣٠ـ **جلاء الافهام** ، لابن قيم (تـ:٧٥١هـ) تحقيق : زائد احمد النشيري ، مطبعة دار عالم الفوائد، مكة المكرمة ، الطبعة الاولى سنة (١٤٢٥هـ)

٣١ـ **جمع الجوامع** ،للسيوطي (تـ:٩١١ه) تحقيق : خالد عبد الفتاح شبل ، دار الكتب العلمية ، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤٢١هـ/٢٠٠٠م)

٣٢ـ **خلاصة الوفاء باخبار المصطفى** ﷺ ، للسمهودى (تـ:٩١١هـ) مطبعة دار احياء الكتب العربية القاهرة ، مصر

٣٣ـ **درالثمين في مبشرات النبي الامين** ﷺ ، ولى الله الدهوي (تـ:١١٧٦هـ) مطبعة سني دار الاشاعت ، فيصل آباد ، باكستان

٣٤ـ **الدرة الثمينة فى اخبار المدينة** ، لابن النجار (تـ:٦٤٣هـ) المطبعة دار الارقم ، بيروت

٣٥ـ **دلائل النبوة** ، لابي نعيم الاصفهاني (تـ:٤٣٠هـ) مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية ، الهند ، الطبعة الثانية سنة (١٣٦٩هـ/١٩٥٠م)

٣٦ـ **دلائل النبوة** ،للبيهقي (تـ:٤٥٨هـ) تحقيق : الدكتور عبد المعطي قلعجي ، مطبعة دار الكتب العلمية ، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م)

٣٧ـ **دلائل النبوة** ،للمستغفري (تـ:٤٣٢هـ) تحقيق : الدكتور احمد بن فارس ، مطبعة دار النوادر، الكويت ، الطبعة الاولى سنة (١٤٣١هـ/٢٠١٠م)

٣٨ـ **ردالمحتار على الدر المختار** ،لابن عابدين الشامي (تـ:١٢٥٢هـ) مطبعة دار الكتب العلمية ، بيروت ، الطبعة الاولى سنة (١٤١٥هـ/١٩٩٤م)

٣٩ـ **الرسالة القشيرية** ،لابي القاسم القشيري ، (تـ:٤٦٥هـ) تحقيق : معروف زريق ، مطبعة دار الخير، بيروت ، الطبعة الثالثة سنة (١٤١٦هـ/١٩٩٥م)

٤٠ـ **الروض الانف** ، للسهيلي (تـ:٥٨١هـ) تحقيق : عبد الرحمن الوكيل ، مطبعة اداراحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤١٢هـ/١٩٩٢م)

٤١ـ **سبل الهدى والرشاد** ،للشامي (تـ:٩٤٢هـ) تحقيق : شيخ احمد عبد الموجود ، مطبعة دار الكتب العلمية ، بيروت،الطبعة الاولى سنة (١٤١٤هـ/١٩٩٣م)

٤٢ـ **سنن ابي داؤد** ،لامام سيلمان بن اشعث (تـ:٢٧٥هـ) مطبعة دار السلام ، الرياض، الطبعة الاولى سنة (١٤٢٠هـ/١٩٩٩م)



٤٣ـ **سنن ابن ماجة** ،لامام ابن ماجة (تـ:٢٧٣هـ) مطبعة دار السلام ، الرياض، الطبعة الاولى سنة (١٤٢٠هـ/١٩٩٩م)

٤٤ـ **سنن الترمذي** ،لامام ابي عيسىٰ الترمذي (تـ:٢٧٩هـ) مطبعة دار السلام الرياض، الطبعة الاولى سنة (١٤٢٠هـ/١٩٩٩م)

٤٥ـ **سنن الدارقطني** ،لامام دارقطني (تـ:٣٨٥هـ) تحقيق : السيد عبد الله هاشم اليماني المدني ، مطبعة شركة الطباعة الفنية المتحدة ، الطبعة سنة (١٣٨٦هـ/١٩٦٦م)

٤٦ـ **سنن الدارمي** ،لامام ابي عبد الله الدارمي (تـ:٢٥٥هـ) تحقيق : محمود احمد ، مطبعة دار المعرفة ، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤٢١هـ/٢٠٠٠)

٤٧ـ **سنن الكبرى** ، للبيهقي (تـ:٤٥٨هـ) مطبعة مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد دكن ، الهند ، الطبعة الاولى سنة (١٣٤٤هـ)

٤٨ـ **سنن النسائي** ، لامام احمد بن شعيب النسائي (تـ:٣٠٣هـ) مطبعة دار السلام ، الرياض، الطبعة الاولى سنة (١٤١٦هـ/١٩٩٥م)

٤٩ـ **السيرة النبوية** ، لامام ابن اسحاق (تـ:١٥١هـ) تحقيق : احمد فريد المزيدي، مطبعة دار الكتب العلمية، بيروت ، الطبعة الاولى سنة (١٣٢٤هـ/٢٠٠٤م)

٥٠ـ **شرح الزرقاني على المواهب اللدنية** ،لامام الزرقاني(تـ:١١٢٢هـ) تحقيق : محمد عبد العزيز الخالدي ، مطبعة دار الكتب العلمية ، بيروت ، الطبعة الاولى سنة (١٤٣٠هـ/٢٠٠٩م)

٥١ـ **شرح السنة** ، للبغوي (تـ:٥١٦هـ) تحقيق : شعيب الارناووط، مطبعة المكتبة الاسلامي ، بيروت ، الطبعة الثانية سنة (١٤٠٣هـ/١٩٨٣م)

٥٢ـ **شرح المواقف** ،لامام السيد علي الجرجاني (تـ:٨١٦هـ) تحقيق : محمود عمرالدمياطي ، مطبعة دار الكتب العلمية ، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤١٩هـ/١٩٩٨م)



٥٣ـ **شعب الايمان** ، للبيهقي (تـ:٤٥٨هـ) تحقيق : ابي هاجر محمد السعيد زغلول، مطبعة دار الكتب العلمية ، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤١٠هـ١٩٩٠م)

٥٤ـ **الشفاء بتعريف حقوق المصطفىٰ** ﷺ ، لامام ابي الفضل القاضي عياض (تـ:٥٤٤هـ) مطبعة مصطفى البابي الحلبي، مصر، الطبعة الاخيرة سنة (١٣٦٩هـ/١٩٥٠م)

٥٥ـ **شفاء السقام فى زرياة خير الانام** ﷺ ، للسبكي الشافعي (تـ:٧٤٦هـ) مطبعة دائرة المعارف العثمانية ،حيدرآبار دكن ، الهند، الطبعة الثانية سنة (١٣٧١هـ/١٩٥٢م)

٥٦ـ **صحيح البخاري** ، لامام الائمة ابوعبد الله البخارى (تـ:٢٥٦هـ) مطبعة دار السلام ، الرياض، الطبعة الثانية سنة (١٤١٩هـ/١٩٩٩م)

٥٧ـ **صحيح ابن حبان** ،لامام ابن حبان (تـ:٣٥٤هـ) تحقيق : شعيب الارناووط ، مطبعة مؤسسة الرسالة ،بيروت، الطبعة الثانية سنة (١٣١٣هـ/١٩٩٣م)

٥٨ـ **صحيح ابن خزيمة** ،لامام خزيمة (تـ:٣١١هـ) تحقيق : الدكتور محمد مصطفى الاعظمي، مطبعة المكتب الاسلامي ، بيروت ، الطبعة الاولى سنة (١٣٩٥هـ/١٩٧٥م)

٥٩ـ **اصطناع المعروف** ، لامام ابن ابي الدنيا (٢٨١هـ) مطبعة المكتب العصرية ، بيروت ، الطبعة الاولى سنة (١٤٢٦هـ/٢٠٠٦م)

٦٠ـ **عمل اليوم والليلة** ،لامام ابي بكر السني (تـ:٣٦٤هـ) تحقيق : عبد القادر احمد عطا ، مطبعة دار المعرفة ، بيروت ، الطبعة سنة (١٣٩٩هـ/١٩٧٩م)

٦١ـ **فضائل الصحابة** ، لامام الائمة احمد بن حنبل (تـ:٢٤١هـ) تحقيق : وصي الله محمد عباس، مطبعة مركز البحث العلمي، بجامعة أُم القرى ، مكة المكرمة

٦٢ـ **القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع**ﷺ، للسخاوي

(تـــ:٩٠٢هـــ) تحقيق: محمد عوامة ، مطبعة مؤسسة الريان، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٣٢٢هـ/٢٠٠٢م)

٦٣ـ **كتاب القبور**، لامام ابن ابي الدنيا (تـ:٢٨١هـ) مطبعة المكتب العصرية، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤٢٦هـ/٢٠٠٦م)

٦٤ـ **كنز العمال**، لعلي المتقي (تـ:٩٧٥هـ) مؤسسة الرسالة ، بيروت، الطبعة الاولى سنة ـ

٦٥ـ **لمعات التنقيح فى شرح مشكاة المصابيح**، لعبد الحق الدهلوي (تـ:١٠٥٢هـ) تحقيق : محمد عبد الله المفتي، مطبعة مكتبة المعارف العلمية لاهور، باكستان، الطبعة الاولى سنة (١٣٩٠هـ/١٩٧٠م)

٦٦ـ **ما ثبت من السنة فى ايام السنة** ، لعبد الحق الدهلوي (تـ:١٠٥٢هـ) مطبعة محمدي ، لاهور، باكستان، الطبعة الاولى سنة (١٣٠٧هـ)

٦٧ـ **مجمع الزوائد** ، للهيثمي (تـ:٨٠٧هـ) تحقيق : عبد الله محمد الدرويش، مطبعة دار الفكر ، بيروت ، الطبعة سنة (١٤١٤هـ/١٩٩٤م)

٦٨ـ **المرقاة فى شرح المشكاة** ، لامام منلا علي القاري (١٠١٤هـ) تحقيق : شيخ جمال عيتاني، مطبعة دار الكتب العلمية ، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤٢٢هـ/٢٠٠١م)

٦٩ـ **المستدرك على الصحيحين** ، للحاكم (تـ:٤٠٥هـ) تحقيق : عبد السلام علوش، مطبعة دارالمعرفة ، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤١٨هـ/١٩٩٨م)

٧٠ـ **مسند ابي يعلي** ، لامام احمد بن علي التميمي (تـ:٣٠٧هـ) تحقيق : حسين سليم اسد ، مطبعة دار المامون ، دمشق، الطبعة الثانية سنة (١٤١٠هـ/١٩٨٩م)

٧١ـ **مسند الامام احمد** ، لامام احمد بن حنبل (تـ:٢٤١هـ) مطبعة دار صادر بيروت، الطبعة الاولى، ومطبعة مؤسسة الرسالة ، بيروت

٧٢ـ **مسند البزار**، لامام ابي بكر احمد البزار (تـ:٢٩٢هـ) تحقيق : الدكتور محفوظ الرحمن زين الله ، مطبعة مكتبة العلوم والحكم ، المدينة المنورة ، الطبعة الاولى سنة (١٤١٦هـ/١٩٩٦م)

٧٣ـ **مسند الفردوس** ، لامام الديلمي (تـــ:٥٠٩هـ) تحقيق : فواد احمد الزمرلي، مطبعة دارالكتاب العربي، بيروت،الطبعة الاولى سنة (١٤١٧هـ/١٩٨٧م)

٧٤ـ **مشكاة المصابيح** ، للتبريزي (٧٣٧هـ) تحقيق : ناصر الدين الباني، مطبعة المكتب الاسلامي ، بيروت، الطبعة الثالثة سنة (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م)

٧٥ـ **مصباح الظلام** ،لامام محمد بن موسىٰ المراكشي (تـ:٦٨٣هـ) تحقيق : حسين محمد علي شكري ، دار الكتب العلمية ، بيروت

٧٦ـ **معجم الاوسط** ، لامام الطبراني (تـ:٣٦٠هـ) تحقيق : الدكتور محمود الطحان ، مطبعة مكتبة المعارف، الرياض، الطبعة الاولى سنة (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م)

٧٧ـ **معجم الصغير**، لامام الطبراني (تـ:٣٦٠هـ) تحقيق : عبد الرحمن محمد عثمان ، مطبعة دار الفكر، بيروت ، الطبعة الاولى سنة (١٤٠١هـ/١٩٨١م)

٧٨ـ **معجم الكبير**، لامام الطبراني (تـ:٣٦٠هـ) تحقيق : حمدي عبد الحميد السلفي، مطبعةالقاهرة ، مصرالطبعة الاولى سنة (١٣٩٨هـ)

٧٩ـ **المواهب اللدنية** ، لامام القسطلاني (٩٢٣هـ) تحقيق : مامون بن محي الدين الجنان ، مطبعة دار الكتب العلمية ، بيروت، الطبعة الاولى سنة (١٤١٦هـ/١٩٩٦م)

٨٠ـ **الوفاء باحوال المصطفىٰ ﷺ** ، لامام ابن الجوزي (تـ:٥٩٧هـ) تحقيق : مصطفىٰ عبد الواحد ، مطبعة دار المعرفة ، بيروت

٨١ـ **وفاء الوفاء** ، للسمهودي (تـ:٩١١هـ) تحقيق : محمد محي الدين عبد الحميد ، مطبعة السعادة ، مصر، الطبعة الاولى سنة (١٣٧٣هـ/١٩٥٤م)